كثرة الأزواج لصاحب المعراج

تالیف

حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

۱۲۸۰ - ۱۳۶۲ھ
۱۸۶۳ - ۱۹۴۳ء

80

تألیف

حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

۱۲۸۰ - ۱۳۶۲ھ
۱۸۶۳ - ۱۹۴۳ء

ایڈمن
محمد طلحہ نذیر

ویلفیئر اینڈ ایجوکیشنل ٹرسٹ رجسٹرڈ

مکتبہ سید احمد شہید
10- الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

بعد حمد وصلاۃ، من جملہ اعتراضات مخالفین اسلام کے ایک اعتراض حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی کثرتِ ازواج پر بھی ہے جس کا مدعیانِ ملّت کو تو کچھ بھی حق نہیں، اس لیے کہ ان میں جو اہلِ کتاب ہیں وہ حضرات انبیا علیہم السلام کے کثرتِ ازواج سے انکار نہیں کر سکتے اور جو اہلِ کتاب نہیں وہ بھی اپنے مقتداؤں کے لیے اس کو تسلیم کرتے ہیں اور اس کا حاصل جواب الزامی ہے، باقی اس کے تحقیقی جواب بھی علمائے اسلام کے کلام[1] میں بلکہ دوسری اقوام اہل انصاف کے کلام میں بھی کافی شافی موجود ہیں اور بارہا نظر سے گزرے، مگر کبھی ان کی تکمیل یا تفصیل کا خیال نہیں ہوا۔

اتفاق وقت ہے کہ ان دنوں ایک اسلامی جریدہ میں اس کے متعلق مضمون نظر پڑا، بے ساختہ جی چاہا کہ اس کو مکمّل و مفصّل کر دیا جائے۔ چوں کہ بنا اس خیال کی جریدہ مذکورہ کا مضمون تھا اس لیے مناسب معلوم ہوا کہ اس کو اس مقصود کے لیے بمنزلہ متن قرار دے کر اول اس کو قدرے ضروری ترمیم کے ساتھ نقل کیا جاوے تا کہ یہ نقل اس مضمون کی شکر گزاری بھی ہو جاوے، پھر اس کی تفصیل کو بطور اس کی شرح کے قرار دے کر اس سے اس کو مکمّل کر دیا جاوے تا کہ شہادت بمنزلہ مشاہدہ بن جاوے۔ اس شرح کا اصل عنصر خود حضرات امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن کی روایات ہوں گی اور شاید کچھ حصّہ دوسرے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی روایات بھی ہو جاویں۔

وہ مضمون جریدہ کا یہ ہے۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا سب سے پہلا اور سب سے آخری مقصد۔

آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اسوۂ حسنہ اور حیاتِ طیّبہ کے دو پہلو۔

عالمِ انسانیت کے لیے شمعِ ہدایت اور راہِ نجات۔

---

[1] نمونہ کے لیے ملاحظہ ہو: ''مصالحِ عقلیہ'' حصّہ دوم: ۵۰ تا ۵۵ اور ملاحظہ ہو اخبار ''مہاجر'' بابت ۱۴ ستمبر ۲۹ء۔

آں حضرت ﷺ کی زندگی کے دو پہلو

آں حضرت ﷺ کی بعثت کا سب سے پہلا اور سب سے آخری یہی مقصد تھا کہ آپ دنیا کو ورطۂ ہلاکت اور گردابِ بلا سے نکالنے کے لیے ایک عظیم الشان قانونِ الٰہی پہنچا دیں، جو من کل الوجوہ انسانی زندگی کے ہر شعبہ کا کفیل ہو، جس کے بعد تا قیامِ قیامت کسی دوسرے قانون کی ضرورت نہ رہے۔ لیکن اس غرض کی انجام دہی کے لیے صرف یہی کافی نہ تھا کہ اس قانونِ الٰہی کی دفعات محض زبان سے پڑھ کر دنیا کی گم گشتہ راہ اور آوارہ دشتِ جہالت قوم کو سنادی جائیں، بلکہ اس مہتم بالشان مقصد میں فائز ہونے کے لیے ضروری تھا کہ خالقِ کائنات کا پیغام لانے والا سب سے پہلے اپنی زندگی کے ہر لمحہ کو اس قانون کا پابند بناتا اور اس تعلیم کے صداقت کے ثبوت میں ایک عملی اور زندہ تصویر پیش کرتا۔ محض الفاظ وکلمات یا اوراق چنداں مؤثر اور نتیجہ خیز نہیں ہوسکتے، عملی قوت کے اندر ایک ایسی کشش موجود ہے جو انسانوں کو اپنی طرف مائل کرسکتی ہے۔ چناں چہ سرورِ دوعالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی کا وہ عملی پہلو ہی تھا جس نے دنیا میں آں حضور کو (کامل) کامیابی دی۔ آپ نے ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾[۱] کے ارشاد کی تکمیل میں اپنی زندگی کے ہر پہلو کو منشائے الٰہی کے مطابق ڈھال کر دنیا کو اسی راستہ پر گامزن ہونے کی دعوت دی۔ آپ کا قول اور فعل دو مختلف چیزیں نہ تھیں۔ جو زبان مبارک سے فرماتے تھے وہی عمل میں پیش فرماتے اور جو کہتے وہی کرتے تھے۔

انسانی زندگی کے دو پہلو: ہر انسان کی زندگی کے دو پہلو ہوا کرتے ہیں۔ کسی کی عملی حالت کا اندازہ کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ان دونوں رخوں کو بے نقاب کیا جائے، ورنہ اس کے متعلق کسی صحیح نتیجہ پر پہنچنے کی امید کرنا امرِ لا حاصل ہوا کرتا ہے۔

وہ دو پہلو یہ ہیں: ایک بیرونی زندگی۔ یہ زندگانی کا وہ حصّہ ہے جو انسان لوگوں کے سامنے بسر کرتا ہے، اس حصّہ کے متعلق ہر انسان کے تفصیلی حالات معلوم کرنے کے لیے

[۱] احزاب: ۲۱۔

بکثرت شواہد دستیاب ہو سکتے ہیں۔

دوسرا پہلو انسانی زندگی کا وہ ہے جسے خانگی زندگی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ حیاتِ انسانی کا وہ اہم حصّہ ہے جس سے ایک انسان کی اخلاقی حالت کا صحیح پتہ چل سکتا ہے۔ ہر فرد گھر کی چہار دیواری کے حالات، خانہ داری کے نشیب و فراز، اہلیہ کے تعلّقات اور دیگر راز و نیاز کی باتوں کو پردۂ راز میں رکھنا چاہتا ہے، کس وجہ سے؟ اس لیے کہ وہ انسانی کمزوریوں کا نقشہ پیش کرنے سے خائف ہے اور اس کی زندگانی کا یہ پہلو افراط و تفریط کا ایک کمزور مجموعہ ہوا کرتا ہے۔

پس ایسی صورت میں دنیا کے ہر انسان کی صحیح زندگی کا اندازہ کرنے کے لیے جو سب سے بہتر کسوٹی ہو سکتی ہے وہ یہی کہ اس کے خانگی حالات بھی دنیا کے سامنے اسی آب و تاب کے ساتھ پیش ہو سکیں جس طرح اس کی پبلک لائف عوام کے روبرو موجود ہو۔

آں حضور ﷺ کی حیاتِ طیّبہ

بس یہی وجوہ تھیں کہ دنیا کے انسانِ کامل، اللہ کے برگزیدہ رسول، نبیوں کے سردار اور کائناتِ عالم کے مختار (یعنی منتخب) ﷺ کی حیاتِ طیّبہ کا ہر ہر لمحہ بتمام و کمال دنیا کے روبرو پیش کیا گیا۔ آپ کی پبلک لائف اور پرائیویٹ لائف دونوں زندگیوں کے حالات دنیا کو معلوم ہوئے، تاکہ عاشقانِ حق کے قلوب پر آپ کی عظمت و صداقت کا سکّہ جم جائے، عاشقانِ صادقین اپنی زندگی کے لمحوں کو اس الٰہی سانچے میں ڈھال سکیں اور آنے والی نسلیں آپ کی عملی زندگی کو اپنا دستور العمل بنا سکیں۔

دنیا کا کوئی مذہب آپ کی نظیر پیش نہیں کر سکتا: چناں چہ آپ کی زندگی کے تمام حالات من و عن ایسی زبردست تحقیق و صحت کے ساتھ دنیا کے سامنے آئے کہ جس کی نظیر دنیا کا کوئی مذہب، کوئی قوم پیش نہیں کر سکتی۔ انبیائے سابقین میں سے بھی کسی کی زندگی کے حالات اس تفصیل و تدقیق کے ساتھ دنیا کے سامنے نہیں آئے کہ انسانی زندگی ہر الجھن اور شعبۂ حیات کے ہر مسئلہ میں ان سے سبق حاصل کر سکے اور یہ صرف پیغمبر آخر الزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اسوۂ حسنہ

ہی تھا بلکہ آپ کی شان کا زیادہ کمال تھا۔

صل علی محمد ﷺ.

آں حضور ﷺ کی بیرونی زندگی اور خانگی زندگی کے عمل کو سرانجام دینے کے لیے خدا تعالیٰ نے خاص خاص وسائل اور اسباب مہیّا کردیے۔ چناں چہ ایسی دو جماعتیں پیدا ہوگئیں جنھوں نے اس ضروری فرض کو ایسی خوش اسلوبی اور احتیاط کے ساتھ پایۂ تکمیل کو پہنچایا کہ دنیا کے عقلا دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ پہلی جماعت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تھی اور دوسری حضرات امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن کی۔

جماعتِ صحابہ رضی اللہ عنہم: پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عشاق و معتقدین کی ایسی جماعت ملی جس کی نظیر دنیا کی تاریخ میں ملنی دشوار ہے۔ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین شمع محمدی ﷺ پر پروانہ وار اپنے تن من کو نثار کرنے پر ہر دم صرف آمادہ ہی نہ تھے بلکہ ایسی مسعود اور مبارک گھڑی کے انتظار میں ان کی آنکھیں تھک جاتی تھیں، انھیں حضرت ﷺ کی ذات دنیا و ما فیہا سے زیادہ عزیز تھی، آپ کے ہر قول و ہر فعل کی اتباع کو اپنے لیے دین و دنیا میں کامیابی کی کلید سمجھتے تھے، آپ کی تقلید اور پیروی میں مرمٹنا ان کا مقصدِ حیات تھا۔ چناں چہ یہ اولوالعزم جماعت آپ کی پبلک لائف و بیرونی زندگی کے حالات کے لیے بطور شاہد تیار ہوگئی۔ ان کی بدولت آپ کی ہر حرکت و سکون، آپ کی نشست و برخاست، رفتار و گفتار، آپ کا کھانا پینا، ہنسنا مسکرانا، سونا جاگنا، چلنا پھرنا، عہد و مواعید، جنگ و صلح، امن و امان، دوستوں سے تعلّقات، غیروں کے ساتھ طرزِ عمل، کفار سے معالات، مسلمانوں کی نگہداشت وغیرہ وغیرہ غرض کہ آپ کی حیاتِ طیّبہ کے ہر ہر لمحہ اور ہر ہر گھڑی کا تفصیل وار مکمّل مرقع تیار ہوگیا۔ پھر امت نے اس جماعت سے آپ کے تفصیلی حالات قلم بند کرنے اور ان کو تا قیامِ قیامت پوری صحت و صفائی کے ساتھ مامون و محفوظ رکھنے کے لیے انتہائی تدقیق سے کام لے کر اس سے اپنی زندگی کے ہر شعبہ کو درست کیا۔ اور یہی چیز آپ کی راست بازی، پاک دامنی اور عملی جدوجہد کی بین دلیل اور دنیا کے سامنے آپ کی پبلک لائف کا خاکہ بن کر پیش ہوئی۔

امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن: حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت مقدس نے صرف آپ کی پبلک زندگی کو بالتفصیل دنیا کے سامنے پیش کیا، لیکن خانگی حالات کا نہایت ضروری حصّہ دنیا کے روبرو پیش ہونا بھی باقی رہ گیا تھا، جس کے بغیر آپ کی سیرت ادھوری اور نامکمّل رہنے کا اندیشہ تھا اور مخالفین کو اعتراضات کی گنجایش باقی۔ اس کام کے لیے ایک ایسی جماعت کی ضرورت تھی جو تنہائی کے اوقات میں آپ کی رفیق ہوتی، جو راتوں کی تاریکیوں میں آپ کا ساتھ دیتی۔ چناں چہ ازواج مطہرات نے اس سلسلہ میں وہ خدمات انجام دیں جو خداوند کریم کو اپنے محبوب پاک کے اس شعبۂ زندگی کو دنیا کے سامنے پیش کرنے کے لیے مناسب معلوم ہوئیں۔ اس مبارک جماعت کی بدولت سیرتِ نبوی ﷺ کے لیے وہ مخفی اور ضروری ذخیرہ دستیاب ہوا جس نے آپ کی عظمت اور صداقت پر چار چاند لگا دیے۔ اور حقیقت میں شہنشاہِ کونین کے لیے تعددِ ازدواج کا سب سے بڑا موجب یہی ضرورت تھی۔ کس کو کیا معلوم ہوتا کہ اللہ کے سچّے مرسل اور توحید کے علم بردار اوقاتِ تنہائی کن مشاغل میں گزارتے ہیں؟ خلوت کی گھڑیاں کن کاموں میں بسر ہوتی ہیں؟ رات کے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں جب کہ اس عالم الغیب کے سوا کوئی دوسرا دیکھنے والا نہیں ہوتا کیا کچھ عمل میں آتا ہے؟ جس وقت طالبانِ استراحت خوابِ غفلت میں سرشار، بستروں میں بے خبر پڑے ہوتے ہیں نبی برحق ﷺ بستر سے محروم اور عیش وخواب سے مہجور ہیں۔ جب دنیا پر ہو کا سماں چھایا ہوتا ہے اس وقت وہ اپنے غم کدہ میں پڑے امت کے لیے متفکر اور اس کی رستگاری کے لیے علاج کے متلاشی ہوتے اور بارگاہِ خداوندی میں سربسجود ہو کر اس کے بخشوانے کی درخواست فرماتے۔ رات کے پچھلے پہر جب کہ مقدس اور لاہوتی وقت شروع ہوتا ہے تو اس وقت وہ کیسے گڑ گڑا کر بارگاہِ صمدیت میں سجدۂ نیاز بجالاتے ہیں اور خدائے قدوس کی کیا کیا تمہید وتقدیس کرتے ہیں؟ کن کن الفاظ میں اپنی عبودیت اور انکسار کا اظہار فرماتے ہیں اور کیسے اس بارگاہِ لم یزلی میں تمام شب کھڑے کھڑے پاؤں ورم کر جاتے ہیں کہ جس کا خود خداوند کریم بھی اس طرح تذکرہ فرماتا ہے:

﴿یٰاَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ O قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا O﴾ الآیۃ[1]

یہی نبی آخر الزماں ﷺ کی پرائیوٹ لائف کا ایک اہم حصّہ ہے، جو اندھیری رات کی گھڑیوں میں گزرتا تھا اور جس کے اسرار کو ازواج مطہرات نے دنیا کے سامنے یک قلم روشن کردیا، آپ کی پرائیویٹ لائف کے ہر پوشیدہ اور مخفی امر سے پردہ اٹھایا، خلوت وجلوت میں راز و نیاز کی مخفی سے مخفی باتیں پوری تفصیل کے ساتھ بیان کیں۔ شمعِ نبوت کے پروانوں نے محبوب کی ہر چھوٹی سے چھوٹی ادا کی تلاش کی، حرمِ نبوی ﷺ کے دروازوں پر دستک دی اور حضور اقدس ﷺ کی خانگی اور نجی زندگی کے متعلق استفسارات اور چھوٹے سے چھوٹے مسئلہ کے متعلق تفصیلی حالات بہم پہنچا کر دنیا کے سامنے آپ کی خانگی زندگی کو ایک شاہراہ عمل کی صورت میں پیش کردیا۔ اللّٰھم صلّ علی محمد و علی آل محمد.

آپ نے زیادہ نکاح کیوں کیے؟

یہ بات واضح ہوچکی ہے کہ آں حضور ﷺ کی پبلک لائف پر صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کثیرہ بطور شاہد تیار ہوگئی تھی، لیکن خانگی زندگی کے حالات کا بھی زبردست شہادت کے ساتھ دنیا کے سامنے بے نقاب ہونا ضروری تھا۔ چوں کہ یہ ایک نہایت نازک معاملہ تھا اس لیے واقعات کے صحت کے متعلق کافی ثبوت وشواہد کے پیش کیے جانے کی سخت ضرورت تھی، اس لیے سوائے ازواج مطہرات کے اور کسی کا کام نہ ہوسکتا کہ خانگی زندگی پر بطور شاہد پیش ہوسکے، کیوں کہ بیوی جس قدر شوہر کی محرم راز اور اس کی طبیعت اور فطرت سے واقف ہوسکتی ہے کوئی دوسرا شخص ہرگز ہرگز نہیں ہوسکتا۔ پس اسی لیے آں حضور ﷺ کے لیے متعدد نکاح کرنے کی ضرورت تھی تاکہ آپ کی خانگی زندگی کے متعلق تمام حالات نہایت وثوق کے ساتھ دنیا کے سامنے آجائیں اور آپ کی خانگی زندگی کے ہر شعبہ کو امت اپنے لیے مشعلِ ہدایت بنا سکے۔

[1] مزمل: ۱تا۲۔

آپ نے دس نکاح کیوں کیے؟

یعنی بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے: آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اُسوہ امت کی جان اور قوم کی روح رواں تھی اور دینی و دنیاوی ترقی کی شاہراہ تھی اس لیے اس کا من وعن متعدد ثقہ شواہد کی شہادت کے ساتھ دنیا کے سامنے آنا ضروری تھا، معاملہ کی نزاکت کے لحاظ سے شواہد کی بھی کثرت ضروری ہے۔ تو ایسی صورت میں جب کہ مخفی حالات کا ظاہر ہونا عورتوں کے بغیر ناممکن تھا دس بیویوں کی گواہی تیار کی گئی (کہ جمع کثرت کا ابتدائی درجہ ہے) تاکہ تمام معاملات کی حیثیت کما حقہ واضح ہو سکے اور جب بیویوں کی وہ تعداد خداوند جل وعلا کے منشا کے مطابق جو اس شہادت کے لیے کافی ہو سکتی تھی پوری ہوگئی اور مزید شواہد کی ضرورت نہ رہی تو خدا تعالیٰ نے آپ کو اور بیویاں نکاح میں لانے سے منع فرما دیا اور اس کے ساتھ ہی موجودہ بیویوں میں سے کسی کو طلاق دے کر دوسری کو بیاہ لانے سے بھی منع فرمایا گیا، کیوں کہ شواہد کی تعداد مکمل ہو چکی تھی۔

(وهذا على قول في آية ﴿لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْ بَعْدُ﴾ الآية كما في "الكبير")

ایک اہم نکتہ: اگر نعوذ باللہ پیغمبرِ اسلام کو ان متعدد بیویوں سے تمتع یا حظِ نفس ہی مقصود ہوتا تو پھر کیوں آپ اس حکم کی تکمیل کرتے؟ ایک عیش پرست انسان کب ایسی سخت پابندی کو قبول کر سکتا ہے جو اس کی نفسانی خواہشات کے سخت خلاف ہو؟ مگر بیّن حقیقت تو یہ تھی کہ وہاں نہایت ارفع و اعلیٰ مقصود پیشِ نظر تھا۔ اگر آپ کا عندیہ وہی ہوتا جو مخالفین بتلاتے ہیں تو کیوں آپ عہدِ شباب میں بیوہ اور اپنے سے زائد العمر خاتون سے نکاح کرتے اور عہد شباب میں (اسی ایک پر) قانع رہتے؟ (خصوص جب کہ سردارانِ قریش زمانہ قیامِ مکّہ میں کہ شباب یا قربِ شباب کا زمانہ تھا اور ازواج کی کثرت بھی نہ ہوئی تھی آپ کی خدمت میں بواسطہ عقبہ بن ربیعہ عرض گزار ہوئے کہ اگر آپ کو بیبیوں کی خواہش ہو تو آپ قریش کی دس لڑکیاں پسند فرما لیں، ہم ان سے آپ کا نکاح کر دیں گے۔ آپ نے ان کی درخواست رد فرما کر "حٰـمٓ فُصِّلَتْ" کی تلاوت تبلیغ کے لیے شروع فرما دی۔ عقبہ اپنا سا منہ لے کر واپس ہوگیا۔ كذا

في "روح المعاني" في تفسير أوائل "حٰمٓ فُصِّلَتْ" عن البيهقي.

(اگر آپ کو ان نکاحوں میں حظِ نفس غالب ہوتا تو آپ ان کی دل جوئی کی کوئی مناسب صورت تجویز کر کے اچھی سے اچھی لڑکیاں اپنے نکاح میں لے آتے۔) جب کہ آپ نے باقی تمام نکاح پچاس برس سے متجاوز عمر میں کیے اور وہ بھی ایک کے سوا تمام بیوگان سے (تو اس وسوسہ کی گنجایش بھی نہیں رہتی)۔ اس سلسلہ میں یہاں ایک غیر مسلم کی شہادت پیش کرتے ہیں، مسٹر باسورتھ سمتھ اپنی کتاب ''محمد اینڈ محمدن ازم'' کے صفحہ ۲۳٦ پر لکھتے ہیں:

آپ کی قریباً تمام شادیاں بیوگان سے ہوئیں، جو نہ تو اپنے حسن و جمال کی خاطر مشہور تھیں اور نہ ہی دولت مندی کے لحاظ سے، بلکہ معاملہ اس کے بالکل برعکس تھا الخ۔

لہٰذا ان تمام واقعات کے بعد یہ امر آفتابِ نصف النّہار کی طرح روشن ہوگیا کہ تعددِ ازدواج سے آپ کا مقصد ہرگز ہرگز حظِ نفس نہ تھا، بلکہ اس ذریعہ سے اپنی قوم اور اپنی امت کو اُسوۂ حسنہ اور پرائیویٹ لائف میں طرزِ عمل سے آگاہ کرنا مقصود تھا۔

آپ کی زندگی کا ہر لمحہ خواہ وہ صحابہ میں بسر ہوتا یا گھر کی چار دیواری کے اندر، عدل وانصاف، عفت و پاک دامنی، تقوی و پرہیز گاری کی زندہ مثال تھا۔ آپ کا وجود، ہدایت ونورانیت کا مجسّمہ تھا۔ اسی لیے خدا تعالیٰ نے آپ کے ہر طرزِ عمل کو لوگوں کے لیے مدارِ نجات ٹھہرایا اور آپ کی پبلک زندگی اور پرائیویٹ لائف کو تا قیامِ قیامت عاشقانِ صمدیت اور طالبانِ حقیقت کے لیے بے نقاب کر دیا کہ وہ اس پر عمل کر کے عاقبت کو سدھاریں۔

اللّٰهم صل على محمد وعلى آل محمد.

مضمون جریدہ کا ختم ہوا، آگے وہ روایات ہیں جو مضمون بالا کی شرح کے طور پر ہیں۔ چوں کہ اس میں زیادہ روایات حضرات امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن کی ہوں گی اس لیے اول ان کے اسمائے مبارکہ لکھتا ہوں، پھر ان کی روایات بہ ترتیب لکھی جاویں گی، پھر دوسرے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی روایات، اور ان روایات کا احاطہ مقصود نہیں محض بطور نمونہ کے ذکر کی جاویں گی، لیکن نمونہ کی مقدار بھی کافی ہوگی ان شاء اللہ تعالیٰ۔ اور نام اس کا "کثرۃ الأزواج لصاحب المعراج" تجویز کیا گیا ہے۔

اسامی مبارکہ حضرات ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن

جو بوقتِ وفات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں تھیں:[1]

۱۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ۲۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا ۳۔ حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا
۴۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا ۵۔ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا ۶۔ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا
۷۔ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا ۸۔ حضرت صفیہّ رضی اللہ عنہا ۹۔ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا

اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا و حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا بھی آپ کی منکوحات میں ہیں، مگر ان دونوں کی وفات آپ کے سامنے ہوگئی تھی، دوسرے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا زمانہ تعددِ ازواج کا بھی نہ تھا اور حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا نکاح سے دو ہی مہینہ بعد وفات فرما گئیں اور ان سے روایات بھی کم ہیں۔ آگے ان کی مرویات آتی ہیں۔

نوٹ: ۱۔ جس حدیث میں کسی کتاب کا نام نہ ہو وہ ''مسندِ احمد'' سے منقول ہوگی اور جو دوسری کتاب سے ہوگی وہاں اس کا نام ہوگا۔

۲۔ اختصار کے لیے صرف حدیث کے ترجمہ پر اکتفا کیا گیا، شاید کسی مصلحت سے کہیں الفاظ بھی نقل کر دیے جاویں۔ ترجمہ بھی پوری حدیث کا ضروری نہیں، صرف ضروری حصّہ لکھا جاوے گا۔

۳۔ حدیث کے متعلق ضروری موقع پر ضروری فوائد بھی مختصر مختصر لکھے جاویں گے۔

۴۔ ان روایات میں تین قسم کے مضمون ہوں گے:

الف: عورتوں کے مخفی حالات یا ان کی ساتھ مخفی معاملات کے متعلق احکام جن پر عورتیں آسانی سے مطلع ہو سکتی ہیں اور دوسری صحابیات سے جو ایسے احکام کے متعلق روایات منقول ہیں گو عرب میں عجم کا سا تکلّف نہ تھا اور اس لیے ضرورت کے وقت ایسے سوالات بھی کر لیتی تھیں مگر تاہم مردوں کی طرح بے تکلّف بھی نہ تھیں، اس لیے ان روایات میں قلّتِ عدد ضرور ہے اور

[1] بخاری و ابوداود و سننِ نسائی۔

قلّت عدد کے سبب قلّتِ کفایت بھی ہے، پھر اس پر بھی تتبع وتأمل کے بعد بہ استثنائے شاذ جوکہ غیر کافی اور کالمعدوم ہے زیادہ تر ان میں بھی ازواج کا توسط ہے، خواہ اس طرح کہ ازواج کے ذریعہ سے سوال کیا یا اس طرح کہ ازواج مطہرات کے گھر جاکر ان بیبیوں نے سوال کیا۔ اگر ازواج نہ ہوتیں ان کو اس کا موقع کہاں ملتا، خواہ اس طرح کہ آپ نے غایتِ حیا سے لطافت کے ساتھ جواب دیا اور سائلہ نہ سمجھی، ازواج نے اس کی تکمیل وتوضیح کردی۔ ان سب اجزا کے یہ قرائن ہیں:

حدیث: ایک عورت کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کثرت سے خون جاری ہوتا تھا۔ اس کے لیے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فتوی پوچھا، الحدیث۔ (مالک وابوداود ودارمی)

حدیث: حضرت حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ مجھ کو استحاضہ کثرت سے آتا تھا۔ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں فتویٰ پوچھنے آئی۔ میں نے آپ کو اپنی بہن زینب بنت جحش کے گھر میں پایا، الحدیث۔ (احمد وابوداود وترمذی)

حدیث: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک عورت نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے غسلِ حیض کے متعلق سوال کیا۔ آپ نے بتلادیا۔ اس کے بعد فرمایا: کہ ایک پھریری مشک آلود لے کر اس سے پاکی حاصل کرلو۔ اس نے پوچھا: کیسے پاکی حاصل کروں؟ فرمایا: بس پاکی حاصل کرلو۔ اس نے کہا: کیسے پاکی حاصل کروں؟ آپ نے (تعجب سے) فرمایا: سبحان اللہ! (اور کیسے بتلاؤں، موٹی بات ہے) اس سے پاکی حاصل کرلو۔ (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں) میں نے اس کو اپنی طرف کھینچ لیا اور اس سے کہا کہ جہاں خون کا اثر تھا تلاش کرکے اس پھریری کو اس جگہ رکھ لو۔ (یہ سب حدیثیں ''مشکاۃ'' میں ہیں)

اور ایک روایت میں ہے کہ یہ سائلہ انصاریہ تھی اور اسی روایت میں ہے کہ اس کے بار بار پوچھنے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم شرما گئے اور منہ پھیر لیا، میں نے اس کو اپنی طرف کھینچ لیا اور ایک روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے کہ انصار کی عورتیں بہت اچھی ہیں کہ دین کی بات

سمجھنے میں ان کو حیا مانع نہیں ہوتی۔ (از جمع الفوائد)

ب: عورتوں کے ساتھ معاشرت کا طریقہ۔

ج: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ عبادات و عادات جو خلوت کے وقت واقع ہوتی تھیں۔ اور آسانی کے لیے اس کا بھی التزام ان شاء اللہ کیا جاوے گا کہ روایات کے بعد ان مضامینِ سہ گانہ میں سے جو مضمون اس روایت کا مدلول ہوگا ان حروف الف، ب، ج سے اس پر تنبیہ کردی جاوے گی۔ اگر مدلول میں تعدد ہوگا حرف میں بھی تعدد ہوگا۔ اور گو ان سب کی تبلیغ قولی بھی ہوسکتی تھی جو امکان کے ساتھ بواسطہ رجال صحابہ رضی اللہ عنہم کے واقع بھی ہوئی مگر جو اثر فعل میں اور جو انکشاف حکم کا وقوع جزئی میں ہوتا ہے وہ قول کلی میں نہیں ہوتا۔

۵۔ لطیفہ: حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا زمانہ تو تعددِ ازواج کا زمانہ ہی نہ تھا۔ اس لیے یہ لطیفہ ان کے بعد کے عددِ ازواج کے متعلق ہے۔ یہ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ ان کے بعد کی ازواج کا عدد دس ہے۔ اس میں تین لطیفے ہیں: ایک یہ کہ یہ عدد جمع کثرت کا اقل ہے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کثرت میں بھی جس کا آپ کو حق تھا قلت کا لحاظ رکھا، یہ ہے رعایت تعدیل کی۔ دوسرے: ضرورت تھی مصالحِ مذکورہ کے لیے شاہدوں کے عدد میں تواتر کی، سو بعض اقوال پر اس عدد سے تواتر بھی حاصل ہوجاتا ہے کما في "النخبة"۔ تیسرے: زمانہ تعددِ ازواج کا قیام مدینہ کا زمانہ ہے اور وہ دس سال ہیں۔ گویا سالوں کے عدد کا اوسط ازواج کے عدد کے اوسط کے برابر ہے۔

جیسا ایک بار میرے ذہن میں آیا تھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف تریسٹھ سال کی ہے اور آپ نے حجۃ الوداع میں جن اونٹوں کی قربانی اپنے دست مبارک سے کی وہ بھی تریسٹھ ہیں۔ گو ہر سال کے مقابلہ میں ایک اونٹ کی قربانی ہوئی، بقیہ قربانی کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ذریعہ سے انتظام کر کے سو پوری کردی گئیں۔ یا جیسے ایک عالم سے سنا تھا کہ آیت ﴿اِنَّكَ مَيِّتٌ﴾ تیئیسویں پارہ کے اخیر میں ہے اور آپ کی وفات بھی زمانہ نبوت سے تیئیسویں سال کے اخیر میں ہے۔ یا جیسا "اتقان" میں نوع خامس وستون میں بعض کا قول آپ کی عمر شریف کے متعلق نقل کیا ہے کہ سورۂ منافقین کا عدد تریسٹھ ہے اور اس میں یہ آیت ہے: ﴿وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ

نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا﴾ اور آپ کی عمر شریف بھی تریسٹھ سال ہے۔ [۱]

ومن الله التوفيق في كل مقصود وطريق.

[۱] نوٹ: چوں کہ یہ روایات شہادات ہیں، جیسا لطیفہ بالا میں اس طرف اشارہ بھی کیا گیا ہے اور شہادت کی وقعت میں شاہد کی عظمت کو خاص اثر ہے، اس لیے ان روایات سے پہلے ان شواہد یعنی حضرات ازواج مطہرات کے نہایت مختصر فضائل مذکور ہوتے ہیں کلیاً سب کے اور جزئیاً بعض کے اور جن بعض کے جزئیاً منقول نہیں مدح کلی اس سے مغنی ہے۔

فضائلِ کلیہ حضرات ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن اول قرآن مجید سے پھر احادیث سے

آیات: ۱۔ حق تعالیٰ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت پر استدلال میں ارشاد فرمایا: (یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ) گندی عورتیں گندے مردوں کے لائق ہوتی ہیں اور گندے مرد گندی عورتوں کے لائق ہوتے ہیں اور ستھری عورتیں ستھرے مردوں کے لائق ہوتی ہیں اور ستھرے مرد ستھری عورتوں کے لائق ہوتے ہیں۔ ایک مقدمہ تو یہ ہوا اور دوسرا مقدمہ ضروریات سے ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر چیز آپ کے لائق اور مناسب ہی دی گئی ہے۔ پس جب آپ ستھرے ہیں تو ضرور اس مقدمہ ضروریہ کے اعتبار سے آپ کی بیبیاں بھی ستھری ہیں۔

فائدہ: استدلال کے عام الفاظ سب ازواج مطہرات کو شامل ہیں، خواہ طیب کے کچھ ہی معنی ہوں مگر ہر حال میں حضرات ازواج کا پاک ہونا ثابت ہوا۔

۲۔ ارشاد فرمایا حق تعالیٰ نے: اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہے کہ اے (نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے) گھر والو! (یعنی اے بیبیو) تم سے (معصیت ونافرمانی کی) آلودگی کو دور کر رکھے اور تم کو (ظاہراً وباطناً، عقیدتاً وعملاً وخلقاً) بالکل پاک صاف رکھے۔

فائدہ: اس کے سیاق وسباق میں خطاب ازواج کو ہونا یقینی دلیل ہے کہ یہاں اہلِ بیت کا مصداق ازواج مطہرات ہیں۔ كما في "الدر المنثور" عن ابن عباس: نزلت في نساء النبي ﷺ خاصةً. وعن عكرمة: من شاء باهلته أنها نزلت في أزواج النبي ﷺ. وعنه أيضاً: ليس بالذي تذهبون إليه، إنما هو نساء النبي ﷺ. باقی تذکیر ضمیر کی باعتبار لفظ اہل کے ہے۔ كما في قوله تعالى: ﴿قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا﴾۔

باقی اہلِ عبا کا اس کا مصداق ہونا اس کی مفصل بحث بہ ذیل اس آیت کے "بیان القرآن" میں ہے اور گو یہ ارادہ تشریعی ہے اسی لیے اس سے عصمت پر استدلال صحیح نہیں اور ارادہ تشریعی سب مکلفین میں مشترک ہے، لیکن کلی مشکک کے طور پر زیادہ اعتنا خاص فضیلت پر ضرور دال ہوگا۔ =

۳۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے: اور نہ یہ جائز ہے کہ تم آپ کے بعد آپ کی بیبیوں سے کبھی بھی نکاح کرو، یہ خدا کے نزدیک بڑی بھاری (معصیت کی) بات ہے۔ (اور جس طرح یہ نکاح ناجائز ہے ایسے ہی اس کا زبان سے ذکر کرنا یا دل میں ارادہ کرنا سب گناہ ہے سو) اگر تم (اس کے متعلق) کسی چیز کو (زبان سے) ظاہر کرو گے یا (اس کے ارادہ کو دل میں) پوشیدہ رکھو گے تو اللہ تعالیٰ (کو دونوں کی خبر ہوگی، کیوں کہ وہ) ہر چیز کو خوب جانتے ہیں (پس تم کو اس پر سزا دیں گے)۔

فائدہ: اس سے حضرات ازواج مطہرات کی کتنی بڑی عظمت ثابت ہوتی ہے کہ ان کو کسی امتی کا بدرجۂ زوجیت تابع بنانا جائز نہیں رکھا گیا۔

۴۔ ارشاد فرمایا حق تعالیٰ نے کہ آپ کی بیبیاں مؤمنین کی مائیں ہیں۔

فائدہ: ازواج کا امہات ہونا باعتبار تعظیم کے ہے اور اسی تعظیم کی بنا پر ان کی تحریم کا حکم کیا گیا، کیوں کہ تعظیم کی ایک نوع تحریم بھی ہے۔

۵۔ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اور تم (اے پیغمبر کی بیبیو) اپنے گھروں میں قرار سے رہو۔

فائدہ: اور ایک جگہ فرمایا: جب تم ان سے کوئی چیز مانگو تو پردہ کے باہر (کھڑے ہو کر وہاں) سے مانگا کرو۔ یہ حکم پردہ کے متعلق ایک درجہ میں گو عام ہے مگر پھر بھی ازواج مطہرات کو اس خطاب کے ساتھ خاص کرنا حسبِ تصریح محققین اس بنا پر ہے کہ دوسری بیبیوں کے لیے وجہ اور کفین کا چھپانا واجب لغیرہ ہے اور حضرات ازواج کے لیے واجب لعینہ، اور احتجاب خود دلیلِ عظمت ہے، تو احتجاب خاص دلیل ہوگی خاص درجہ کی عظمت کی۔

اور حقیقت اس کی یہ ہے کہ ازواج مطہرات کو تمام مؤمنین ماں سمجھتے تھے، نیز ان سے نکاح کسی وقت حلال نہ تھا جیسا ۳ و ۴ میں مذکور ہوا۔ ایسی حالت میں حجاب کا حکم بہ نسبت خوفِ وقوعِ فتنہ کے عظمت کے ساتھ معلل ہونا اقرب ہے، اس لیے وجہ و کفین بھی اس سے مستثنیٰ نہیں۔ اس عدمِ استثنا کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ سورۂ نور میں جہاں عام مؤمنات کو پردہ کا حکم ہے وہاں ﴿إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ بڑھایا ہے اور سورۂ احزاب میں جہاں حضرات ازواج مطہرات کو حکم ہے وہاں نہیں بڑھایا گیا۔ اور لفظ وقوع سے جواب ہو گیا اس شبہ کا کہ ﴿فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ﴾ سے تو فتنہ سے معلل ہونا معلوم ہوتا ہے؟ جواب یہ ہے کہ مریض القلب کے میلان سے جو کہ داعی ہے مانع اقویٰ ہے یعنی تحریم موبد وا مومیت۔

احادیث:

۱۔ ''ترمذی'' میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیبیوں سے فرمایا کرتے تھے =

= کہ مجھ کو تمہارے معاملہ کی بہت فکر ہے (یعنی میرے بعد تمہارے بسر کی کیا صورت ہوگی) اور تمہاری خدمت پر کوئی شخص ثابت قدم نہ رہے گا بجز صابرین صدیقین کے (یعنی کامل العمل وکامل العلم لوگوں کے)۔

فائدہ: فکر کی وجہ یہ تھی کہ آپ نے ان کے لیے کسی سرمایہ کا جو ضروریاتِ یومیہ کے لیے کافی ہو اہتمام نہیں فرمایا تھا، کیوں کہ آپ کی برکت وصحبت سے حضرات ازواج مطہرات کا مذاق بھی کامل توکل کا تھا۔ اسی واسطے ان سے کہیں منقول نہیں کہ ان کو یہ فکر ہوئی ہو یا حضور اقدس سے اس کی درخواست کی ہو اور اپنے لیے فکر کرنا گو توکلِ کامل کے خلاف ہے مگر کسی متوکل کی راحت کی فکر کرنا عین طاعت ہے۔ پس حضرات ازواج مطہرات کا خود اپنی فکر میں پڑنا جیسا ان کے کمال کے خلاف ہوتا حضور اقدس کا ان کے لیے فکر کرنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عینِ کمال ہے۔ اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ حضرات ازواج کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں کس قدر وقعت تھی اور آپ کی نظر میں بجز کامل مقبولین کے کسی کی وقعت نہیں ہوسکتی۔ اس سے حضرات ازواج کی فضیلت ظاہر ہے۔

۲۔ مسروق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار دیا تھا (کہ خواہ اسی حالتِ قناعت میں میرے پاس رہو یا طلاق لے لو) ہم نے (حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو) اختیار کیا الحدیث۔

(جمع الفوائد عن السنة إلا مالكا)

فائدہ: اس میں تصریح ہے کہ حضرات ازواج مطہرات نے بمقابلہ متاعِ دنیا کے اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آخرت کو اختیار کیا اور آیات تخییر میں ان اختیار کرنے والیوں کو:

الف: محسنات یعنی نیک کردار فرمایا ہے۔

ب: اور ان کے لیے اجرِ عظیم کا وعدہ فرمایا ہے۔

ج: ان کو قانتات وعاملۂ صالحات یعنی فرماں بردار ونیکوکار فرمایا ہے۔

د: اور ان کے لیے اجر مضاعف ورزق کریم کا وعدہ فرمایا ہے۔

ہ: ان کو متّقی فرمایا۔

و: ﴿لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ﴾ میں اور سب عورتوں سے افضل فرمایا۔

۳۔ حضرت عکرمہ سے روایت ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا گیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی فلاں بی بی کی وفات ہوگئی۔ وہ (غایتِ تأثر سے) سجدہ میں گر گئے۔ ان سے کہا گیا: آپ ایسے وقت میں سجدہ کرتے ہیں (حالاں کہ ظاہراً کوئی موقع سجدہ کا نہیں) انھوں نے جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی =

= بڑی نشانی (یعنی حادثۂ عظیمہ) دیکھوتو (حق تعالیٰ کی عظمت کے سامنے تذلل اختیار کرنے کے لیے) سجدہ کرو۔ (کیوں کہ حوادث حق تعالیٰ کی عظمت کے استحضار اور اپنی پستی کے اظہار کو مقتضی ہیں) اور کون سی نشانی بڑی ہوگی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کے فوت ہوجانے سے۔ (مشکاۃ عن ابی داود والترمذی)

فائدہ: حاشیہ میں جو اس کی تقریر کی ہے مقصود میں اس کے کافی ہونے کی وجہ سے اس کو نقل کیے دیتا ہوں وہ یہ ہے: کیوں کہ حضرات ازواج مطہرات میں ایک فضیلت صحابی ہونے کی ہے، دوسری خاص فضیلت ہے زوجیت کی، جو کسی صحابی کو بھی حاصل نہیں۔ نیز ان کے فوت ہوجانے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص احوال کے وہ خاص علوم فوت ہوجاتے ہیں جو صرف ان ہی کو معلوم ہیں الخ۔ (اور گو روایت کرنے کے بعد وہ علوم دوسروں تک بھی پہنچ جاتے ہیں مگر پھر بھی جس قدر انکشاف اسرار کا ان کو حاصل ہے وہ دوسروں کو ہو نہیں سکتا اور حاجت کے وقت ان سے انتفاع ممکن ہے، یہ تمکن من الانتفاع جس کے لیے روایت کافی نہیں ان ہی کے ساتھ ختم ہوجاتا ہے۔

آگے حضرات ازواج کے فضائلِ جزئیہ منقول ہوئے ہیں، اول قرآن سے پھر احادیث سے پھر کتبِ اسماء الرجال سے۔

آیات:

۱۔ حق تعالیٰ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے نکاح کے متعلق جب کہ ان کو حضرت زید سے نکاح کرنے میں پس وپیش تھا ارشاد فرمایا: کسی ایمان دار مرد اور کسی ایمان دار عورت کو گنجایش نہیں الأیۃ۔

فائدہ: اس میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے صاحبِ ایمان ہونے کی شہادت صریح ہے، اس سے بڑھ کر کیا شہادت ہوگی کہ حق تعالیٰ کسی کے ایمان کی شہادت دیں۔

۲۔ اسی قصہ میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: پھر جب زید کا اس سے (یعنی زینب سے) جی بھر گیا (یعنی طلاق دے دی اور عدت بھی گزر گئی تو) ہم نے آپ سے اس کا نکاح کردیا (خواہ امراً وقولاً، خواہ فعلاً واحداثاً، دونوں قول ہیں)۔

فائدہ: اور ہر حال میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی بڑی فضیلت ثابت ہوتی ہے کہ ان کے نکاح کا اللہ تعالیٰ نے کس درجہ اہتمام فرمایا۔

۳۔ بعض ازواج کو مخاطب کرکے حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اگر پیغمبر تم عورتوں کو طلاق دے دیں تو ان کا پروردگار جلد تمہارے بدلے ان کو تم سے اچھی بیبیاں دے دے گا، جو اسلام والیاں، ایمان والیاں، فرماں برداری کرنے والیاں، توبہ کرنے والیاں، عبادت کرنے والیاں، روزہ رکھنے والیاں ہوں گی الأیۃ۔ =

= فائدہ: جن واقعات میں مقامی آیتیں نازل ہوئی ہیں ان کے متعلق روایات کے جمع کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ اس آیت میں خطاب ان بیبیوں کو ہے: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا، حضرت سودہ رضی اللہ عنہا، حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا۔ (کذا فی بیان القرآن) اور لفظ خیر جو کہ افعل التفضیل ہے اپنی اصلی وضع سے، جس سے عدول کا کوئی موجب نہیں اس پر صیغۂ دال ہوا کہ جن ازواج کے نام لیے گئے ہیں یہ سب ان اوصاف سے متصف ہیں۔ اس سے زیادہ کیا فضیلت ہوگی کہ اللہ تعالیٰ کی شہادت سے ان حضرات کے لیے یہ اوصافِ کمال ثابت ہوں اور دوسری آیت سے یعنی ﴿لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ﴾ سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ ان اوصاف میں غیر ازواج سے افضل تھیں۔ پس غیر ازواج کو ان سے افضل فرمانا تحقیقاً و حالاً نہیں ہے بلکہ تقدیرا و مآلاً ہے یعنی اگر آپ ان کو طلاق دے دیتے تو اس وقت اللہ تعالیٰ دوسری بیبیوں کو ان سے بہتر بنا دیتے۔

احادیث عن کنز العمال: ہر چند مقتضا مقام کا یہ تھا کہ ذکرِ فضائل میں ان ہی بیبیوں کی تخصیص کی جاوے جن سے اس رسالہ میں روایات منقول ہیں اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی کوئی روایت رسالہ میں منقول نہیں جیسا دیباچہ میں ان سب اجزا کی طرف اشارہ بھی ہے، مگر دل نے گوارا نہیں کیا کہ جو بی بی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اول رفیق اور اول محبوب اور اسبق الی الاسلام ہوں ان کی فضیلت ذکر نہ کی جاوے، اس واسطے تبرکاً اول ان ہی کی فضیلت مذکور ہوتی ہے پھر اوروں کی مگر سب مختصر مختصر:

۱۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بہترین نساء عالم ہیں۔

۲۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت دوسری عورتوں پر ایسی ہے جیسے ثرید کی فضیلت بقیہ کھانوں پر۔

۳۔ چار بہنیں یعنی میمونہ اور ام فضل اور سلمیٰ اور ان کی اخیافی بہن اسماء بنت عمیس سب (کامل) مومن ہیں۔

۴۔ مجھے حضرت جبریل علیہ السلام نے فرمایا: حفصہ سے رجعت کر لیجیے، وہ بڑی روزہ رکھنے والی، بڑی شب بیداری کرنے والی ہیں اور وہ آپ کی بی بی ہوں گی جنّت میں۔

۵۔ (حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان [حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا] سے نکاح کا پیام دیا اور انھوں نے عذر کیا کہ میری طبیعت میں رشک ہے، سوتوں کے ساتھ نباہ نہ ہوگا تو آپ نے فرمایا کہ) تم نے جو رشک کا ذکر کیا ہے (سو میں دعا کروں گا) اللہ تعالیٰ اس کو تم سے زائل کر دیں گے۔

فائدہ: یہ کمال کا بڑا درجہ ہے کہ طبیعت تابع شریعت کی ہو جاوے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ کمال عطا فرمایا۔

۶۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے حضور نے فرمایا: تم ایک نبی کی بیٹی ہو (یعنی حضرت ہارون علیہ السلام کی) اور ایک نبی تمہارے چچا ہیں (یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام) اور ایک نبی کے نکاح میں ہو (یعنی میرے)۔ =

مرویاتِ سیدتنا عائشہ رضی اللہ عنہا

حدیث ۱: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرماتے تھے: میں تمہاری خوشی اور ناراضی معلوم کرلیتا ہوں۔ انھوں نے عرض کیا: کس طرح؟ آپ نے فرمایا کہ جب تم ناراض ہوتی ہوتو یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہتی ہواور جب خوش ہوتی ہوتو یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہتی ہو۔ (ب)

فائدہ: اور شیخین کی ایک روایت میں ہے کہ خوشی میں لا ورب محمد کے صیغہ سے قسم کھاتی ہواور ناراضی میں لا ورب إبراهيم سے۔

اس سے یہ مسئلہ ثابت ہوا کہ بی بی کا شوہر سے ناز میں روٹھ جانا یہ مضرِ عقیدت نہیں اور دوسروں کو ایسا کرنا خلافِ ادب اور مضر ہے اور روایتوں کا اختلاف اوقات کے اختلاف پر محمول ہے۔

حدیث ۲: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب (قصۂ إفک میں) میرا عذر (براءت) آسمان سے نازل ہوا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو خبر دی۔ میں نے کہا کہ میں خدائے عزوجل کی حمد کرتی ہوں آپ کی حمد نہیں کرتی۔ (ب)

= فائدہ: حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے کچھ طعن کردیا تھا اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: اے حفصہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔

ے۔ ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے گھر میں تشریف لائے اور وہ نماز پڑھ رہی تھیں۔ آپ نے فرمایا: یہ بڑی أوّاہ (یعنی) رقیق القلب ہیں۔

فائدہ: یہ وہ صفت ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مدح میں فرمایا ہے: ﴿إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَأَوَّاهٌ﴾ الأية.

اسماء الرجال: محدثین نے ان سب ازواج کے اسامی مبارکہ پر جو بوقت وفات نبوی زندہ تھیں وہ علامت بتائی ہے جس کا مدلول یہ ہے کہ اصولِ ستہ میں ان سے روایت کی گئی ہے، صرف حضرت سودہ کے نام پر بخاری وابوداود ونسائی کی علامت ہے اور ظاہر ہے کہ محدثین نے رواۃ میں کیسی کیسی سخت شرطیں لگائی ہیں تو محدثین کے اجماع سے یہ حضرات ان سب شرائط میں کامل ہیں اور اس باب میں اس اجماع سے بڑھ کر کون دلیل ہوگی اب ان حضرات مقدسات کی مرویاتِ موعودہ نقل کی جاتی ہیں۔

فائدہ: ایک روایت میں ہے کہ ان کے والدین نے آپ کے شکریہ کی فرمایش کی تھی، اس پر انھوں نے یہ جواب دیا۔ اس سے بھی وہی اوپر والا مسئلہ ثابت ہوتا ہے۔

حدیث ۳: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، فرماتی ہیں کہ میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی برتن سے غسلِ جنابت کرتے تھے۔ (الف)

فائدہ: یہاں ایک برتن سے ایک وقت میں پانی لے کر میاں بی بی کے غسل کرنے کا جواز ثابت ہوا۔ اس سے حیا کی حد ثابت ہوتی ہے کہ باہم میاں بی بی میں نہ اتنا تکلّف ہونا چاہیے کہ بدن کے جس حصّہ کے چھپانے میں تنگی ہے اس کو ایک دوسرے سے چھپانے کی کوشش کرے اور نہ اتنی بے حجابی ہونا چاہیے کہ جس حصّہ کا چھپانا آسانی سے ممکن ہے جیسے عورتِ غلیظہ خواہ مخواہ اس کو ظاہر کیا جاوے۔ چناں چہ ایک حدیث میں ہے: ولا یتجردا تجرد العیرین. کذا في "جمع الفوائد" عن البزار. اور "مسند" کی ایک روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے کہ میں نے کبھی حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شرمگاہ نہیں دیکھی۔

حدیث ۴: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو (تہجّد کی) نماز پڑھنے کے لیے اٹھتے تھے تو اپنی نماز کو دو ہلکی رکعتوں سے شروع فرماتے تھے۔ (ج)

فائدہ: اس سے آپ کا شب کو عبادت میں مشغول ہونا اور اس کا ایک ادب معلوم ہوا۔

حدیث ۵: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ (سفرِ حج میں) قافلے ہمارے پاس کو گزرتے تھے اور ہم احرام باندھے ہوئے تھے، جب وہ ہمارے برابر کو آتے (یعنی برابر آنے کے قریب ہوتے) تو ہم اپنا چادر سر پر سے چہرہ کے سامنے لٹکا لیتے اور جب وہ آگے گزر جاتے تو پھر چہرہ کھول لیتے۔ (الف وب)

فائدہ: چہرہ کے سامنے کا مطلب یہ ہے کہ چہرہ سے علیحدہ رکھتے، کیوں کہ احرام میں عورت کو چہرہ سے کپڑا فاصلہ سے رکھنا چاہیے، جیسے آج کل جالی دار پنکھا بیچ میں رکھتے ہیں۔ اور اس حدیث سے رعایت بی بی کی ثابت ہوئی کہ اگر جنگل ہو جہاں کوئی سامنے نہ ہو وہاں اتنا مبالغہ کرنا کہ مثلاً گاڑی کا پردہ نہ کھولنے دیں، یہ غلو ہے، اتنا کافی ہے کہ جب کسی کا سامنے ہونے کا

احتمال ہو پردہ چھوڑ دیں، جب سامنے نہ رہے اٹھا دیں۔

حدیث ۶: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوٹھری میں نماز پڑھ رہے تھے اور دروازہ بند تھا (یعنی زنجیر لگی تھی) میں آئی (اور آپ کو معلوم ہوگیا) آپ نے چل کر میرے لیے دروازہ کھول دیا، پھر اپنی جگہ لوٹ گئے اور انھوں نے یہ بھی بیان کیا کہ دروازہ قبلہ کی جانب تھا (اس لیے آپ کو گھومنے کی ضرورت نہیں ہوئی)۔ (ب و ج)

فائدہ: اس سے آپ کا ایسی تنہائی میں کہ دروازہ بھی بند تھا عبادت میں مشغول ہونا اور بی بی کی اتنی مراعات کرنا کہ نماز میں ان کی راحت کا خیال کیا کہ ان کو انتظار میں کھڑے ہونے کی تکلیف نہ ہو ثابت ہوا۔ اور چوں کہ آپ کا حجرہ شریفہ نہایت ہی مختصر تھا اس لیے چلنے سے مراد ایک دو قدم اٹھانا ہے، متعارف چلنا نہیں۔ اور چوں کہ آپ فرائض مسجد ہی میں پڑھتے تھے یہ نماز نفل تھی، نفل میں بہ ضرورت اتنی گنجایش ہے۔

حدیث ۷: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ (حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری وقت میں) میں آپ کو اپنے سینہ سے لگائے ہوئے تھی، یا فرمایا کہ اپنی گود میں لیے ہوئے تھی، آپ نے طشت منگایا، (جس میں پانی تھا، جس کو آپ اپنے چہرہ پر پھیرتے تھے) سو آپ میری ہی گود میں ڈھیلے ہوگئے اور مجھ کو خبر بھی نہیں ہوئی۔ (ب)

فائدہ: اس سے بی بی کے حقوق کا اندازہ ہوسکتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ مشروع تعلّق مخلوق کا تعلّق مع اللہ کے ساتھ جمع ہوسکتا ہے جب کہ اس میں نہ معصیت ہو نہ غلو ہو۔

حدیث ۸: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (مسجد میں) اعتکاف فرماتے تھے اور مسجد سے اپنا سر مبارک میری طرف (حجرہ میں) نکال دیتے تھے، میں آپ کا سر دھوتی تھی اور میں حالتِ حیض میں ہوتی تھی۔ (الف)

فائدہ: اس سے ثابت ہوا کہ مسجد سے سر باہر نکال دینے سے اعتکاف میں خلل نہیں آتا اور معلوم ہوا کہ حائضہ سے ایسی خدمت لینا جائز ہے۔

حدیث ۹: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے نماز پڑھا کرتے

تھے اور چادر کا ایک پلہ آپ (کے بدن مبارک) پر ہوتا تھا اور دوسرا پلہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر ہوتا تھا۔ (الف)

فائدہ: اس سے بھی وہی مسئلہ ثابت ہوا جو حدیث نمبر ۷ سے ثابت ہوتا ہے۔

حدیث ۱۰: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیبیوں سے ان کی حالتِ حیض میں ازار سے اوپر بدن سے بدن ملا لیتے تھے۔ (الف)

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ ایسی حالت میں بی بی سے معانقہ و ملامست تقدس کے خلاف نہیں، البتہ ناف سے زانو تک ہاتھ وغیرہ لگانا جائز نہیں، ازار سے اوپر کا یہی مطلب ہے۔

حدیث ۱۱: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شب کو (نماز میں طویل) قیام فرماتے تھے، یہاں تک کہ آپ کے دونوں قدم (مبارک) پھٹ جاتے تھے۔ (اور ایک روایت میں ہے کہ دونوں قدم مبارک ورم کر گئے اور یہ پھٹنا شدتِ ورم ہی سے تھا) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: آپ ایسی محنتِ (شاقہ) کیوں کرتے ہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حالاں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے سب اگلے پچھلے قصور معاف فرما دیے؟ آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا: کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں (یعنی ایسی عبادت صرف مغفرت ہی کے لیے تھوڑا ہی ہوتی ہے، نعمت پر شکر کے لیے بھی ہوتی ہے۔ سو جب اللہ تعالیٰ نے مجھ پر اتنا بڑا انعام فرمایا، میں اس کے شکر کے لیے اس عبادت کو بجا لاتا ہوں) پھر جب (بڑھاپے سے) آپ کا گوشت (ڈھیلا ہونے سے) زیادہ ہو گیا (اور زیادہ قیام پر قدرت نہ رہی) تو آپ بیٹھ کر پڑھنے لگے، پھر جب رکوع کرنے کا ارادہ فرماتے تو کھڑے ہو جاتے، پھر قرأت کر کے رکوع میں چلے جاتے (بخاری) ''قسطلانی'' میں ہے کہ ہشام کی روایت میں ہے کہ تیس چالیس آیتیں پڑھ کر رکوع میں جاتے الحدیث۔ (ج)

فائدہ: وللہ در القائل:

ظَلَمْتُ سُنَّةَ من أَحْيَا الظَّلَامَ إِلَى

أَنِ اشْتَكَتْ قَدَمَاهُ الضُّرَّ مِنْ وَرَم

حدیث ۱۲: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (کسی امر پر ناخوش ہوکر زجر کے لیے) قسم کھالی تھی کہ ایک مہینہ تک اپنی بیبیوں کے پاس نہ آئیں گے۔ وہ فرماتی ہیں کہ آپ اُنتیس روز تک اسی حالت میں رہے۔ پھر جس بی بی سے اول آپ نے ابتدا فرمائی وہ میں تھی۔ (یعنی سب سے اول میرے پاس تشریف لائے۔ حساب سے ان ہی کا دن ہوگا) میں نے آپ سے عرض کیا کہ کیا آپ نے ایک مہینہ کے لیے قسم نہیں کھائی تھی اور میں نے اُنتیس دن گنے ہیں؟ آپ نے فرمایا: یہ مہینہ اُنتیس ہی کا تھا۔ (ب)

فائدہ: بیبیوں کے ساتھ باوجود محبت کے تادیب بھی ضروری ہے۔

حدیث ۱۳: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عشا کے بعد (مراد اخیر شب ہے) گیارہ رکعت پڑھتے تھے (یہ تہجد و وتر کی نماز تھی)۔ پھر جب صبح ہو جاتی تھی تو دو رکعت خفیف پڑھتے تھے (یہ صبح کی سنتیں ہیں اور اس سے معلوم ہوا کہ تہجّد کی رکعتیں طویل ہوتی ہیں)۔ پھر (ذرا راحت لینے کے لیے) اپنی داہنی کروٹ پر لیٹ رہتے تھے یہاں تک کہ مؤذن آکر نماز کی اطلاع کرتے تھے۔ (ج)

حدیث ۱۴: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں بیمار ہوگئے تو آپ نے اپنی بیبیوں سے اس کی اجازت چاہی کہ میرے گھر میں آپ کی تیمارداری کی جاوے، ان سب نے اجازت دے دی۔ الحدیث (ب)

فائدہ: اس سے تین باتیں معلوم ہوئیں: ایک یہ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بیبیوں کے پاس رہنے میں عدل فرماتے تھے، اگرچہ ایک قول میں آپ پر عدل واجب نہ تھا۔ دوسرے یہ کہ اگر شوہر ایک کی باری میں دوسری کے گھر رہنا چاہے تو باری والی سے اجازت حاصل کرے۔ تیسرے یہ کہ بی بی کو بھی مناسب ہے کہ ایسے امور میں شوہر کی راحت کی رعایت کرے۔

حدیث ۱۵: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم صبح کو جنبی ہوتے تھے، پھر روزہ رکھ لیتے تھے۔ (الف)

فائدہ: مطلب یہ کہ غسلِ جنابت کرنا صبح صادق سے پہلے ضروری نہیں، یہ ضروری ہے کہ نماز

اپنے وقت پر ہو جاوے۔

حدیث ۱۶: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شب میں (تہجّد کی) نماز پڑھتے تھے، جب نماز سے فارغ ہوتے تھے لیٹ رہتے۔ اگر میں جاگتی ہوتی تو مجھ سے باتیں کرتے اور اگر میں سوتی ہوتی تو سو جاتے، یہاں تک کہ آپ کی خدمت میں مؤذن حاضر ہوتا۔ (ب وج)

فائدہ: کبھی ایسا بھی ہوتا کہ آنکھ لگ جاتی۔

حدیث ۱۷: ابوسلمہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے رمضان میں حضرت اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازِ (تہجّد) کے متعلق پوچھا۔ انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (اکثر احوال میں تہجّد ووتر) گیارہ رکعت سے زیادہ نہ پڑھتے تھے نہ رمضان میں نہ غیر رمضان میں۔ (اول) چار رکعت پڑھتے تھے، ان کی خوبی اور طول کا کچھ حال نہ پوچھو (یعنی بہت ہی طویل اور بہت ہی کامل ہوتی تھیں) پھر (اور) چار پڑھتے، ان کی خوبی اور طول کا بھی کچھ حال نہ پوچھو۔ (یہ تو تہجّد ہو گیا) پھر تین رکعت (وتر) پڑھتے تھے (اور رمضان میں تراویح اس سے الگ ہے، اس کے متعلق سوال نہ تھا)۔

وہ فرماتی ہیں کہ میں نے آپ سے سوال کیا: آپ وتر سے پہلے سو رہتے ہیں؟ (پھر اٹھ کر بدون وضو کیے ہوئے وتر پڑھ لیتے ہیں) آپ نے فرمایا: اے عائشہ! میری آنکھیں سوتی ہیں اور قلب نہیں سوتا (یعنی اتنا ہوش رہتا ہے کہ وضو باقی ہے یا نہیں، جیسے اونگھ کی حالت ہوتی ہے، اس لیے سونے سے میرا وضو نہیں ٹوٹتا)۔ (ج)

فائدہ: میں نے جو اکثر احوال کی قید لگائی، وجہ یہ ہے کہ بعض روایات میں اس سے زیادہ رکعات بھی آئی ہیں، چناں چہ مسلم کی ایک روایت میں تیرہ رکعت آئی ہیں۔ کذا في المشكاة.

حدیث ۱۸: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب حالتِ جنابت میں سونے کا ارادہ فرماتے تھے تو نماز کا سا وضو کر لیتے تھے۔ (ج)

فائدہ: ایسا کرنا مستحب ہے۔

حدیث ۱۹: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو بعد طوافِ افاضہ کے معمولی ایام ہو گئے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا تذکرہ کیا۔ آپ نے فرمایا: کیا یہ ہم کو (جانے سے) روکے گی؟ میں نے عرض کیا کہ یہ طوافِ اضافہ کر چکی ہیں۔ آپ نے فرمایا: تو پھر چلی چلے، یا یہ فرمایا کہ تو پھر نہ روکے گی۔ (کیوں کہ اس صورت میں صرف وداع باقی ہے، جو مسجد میں کیا جاتا ہے اور وہ حائضہ کو معاف ہے۔ باقی رمی جمار یہ منیٰ میں مسجد سے خارج ہوتا ہے)۔ (الف)

حدیث ۲۰: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے اور ان کو مقامِ سرف میں مکّہ میں داخل ہونے سے پہلے معمولی ایام ہو گئے تھے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ حاجی جو کچھ مناسک ادا کرتا ہے تم سب ادا کرلو، مگر اتنی بات ہے کہ بیت اللہ کا طواف نہ کرنا۔ (کیوں کہ ایسی حالت میں طواف جائز نہیں۔) وہ فرماتی ہیں کہ جب ہم منیٰ میں پہنچے تو میرے پاس گائے کا گوشت لایا گیا۔ میں نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ کہنے والوں نے کہا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیبیوں کی طرف سے گائے کی قربانی فرمائی تھی۔ (الف و ب)

فائدہ: اس سے نہ یہ لازم آتا ہے کہ سات سے زیادہ کی طرف سے کی ہو اور نہ یہ لازم آتا ہے کہ بلا اطلاع کسی کی طرف سے قربانی کرنے سے واجب قربانی ادا ہو جاتی ہے۔ ممکن ہے جن بیبیوں کی طرف سے آپ نے قربانی کی ہے ان پر واجب ہی نہ ہو، یا اگر واجب ہو آپ نے ان کو اطلاع فرما دی ہو۔

حدیث ۲۱: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے روزہ دار ہونے کی حالت میں ان کی تقبیل فرما لیتے تھے۔ تقبیل بوسہ گرفتن۔ (الف)

حدیث ۲۲: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ مسابقت فرمائی، (یعنی ان سے فرمایا کہ میرے ساتھ دوڑو اور آگے نکل جانے کی کوشش کرو) میں آپ کے ساتھ دوڑی اور آگے نکل گئی (یہ زمانہ ان کے لڑکپن کا تھا) پھر ایک مدت تک اپنے حالت پر رہے یہاں تک کہ جب مجھ پر گوشت چڑھ گیا (جیسا لڑکپن کے بعد ہوتا ہے) پھر میرے

ساتھ مسابقت فرمائی، سو آپ آگے بڑھ گئے۔ پھر آپ نے فرمایا: یہ اس کے بدلہ میں ہے (یعنی پہلے تم آگے نکل گئی تھیں اب ہم آگے بڑھ گئے) اور اس کے متّصل ہی روایت میں ہے کہ وہ اس وقت لڑکی تھیں اور آپ کے ساتھ سفر میں تھیں اور آپ نے اصحاب سے فرما دیا تھا کہ اس جگہ سے ہٹ جاؤ۔ پس یہ سوال بھی نہیں ہوتا کہ دولت خانہ میں اتنا صحن کہاں تھا اور نہ یہ سوال ہوتا ہے کہ سب کا سامنا ہوا ہوگا۔ (ب)

فائدہ: اب صرف ایک سوال رہا کہ ظاہراً یہ عمل حضور اقدس ﷺ کی شانِ متانت سے بعید تھا۔ جواب اس کا یہ ہے کہ اول تو متانت و امثالہا کا مدار عرف پر ہے چناں چہ اصولیین نے آیت: ﴿فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ﴾ کے تحت میں تصریح کی ہے کہ اگر کسی جگہ عرفاً تافیف موجبِ تعظیم ہو تو وہاں منہی عنہ نہ ہوگی اور عرب میں غایت سادگی کے غلبہ سے ایسے امور کا خلاف متانت ہونا ثابت نہیں۔ دوسرے کسی مصلحت سے ایسے امور کیے جاویں وہ مصلحت متانت کی کمی کا تدارک ہوسکتی ہے اور یہاں مصلحتیں متعدد ہوسکتی ہیں، مثلاً: دل جوئی و اظہار شفقت، ریاضت کی عادت، حفظِ صحت، دعویٰ نبوت کے صدق پر شہادت۔ کیوں کہ کاذب مرائی ہرگز ایسے امر کو گوارا نہیں کرسکتا جس میں ذرا بھی سبکی کا شبہ ہو۔

حدیث ۲۳: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب (رمضان کا اخیر) عشرہ داخل ہوتا تھا تو آپ شب کو جاگتے تھے اور اپنے گھر والوں کو جگاتے تھے اور ازار باندھ لیتے تھے۔ (اس کے دو معنی ہوسکتے ہیں: عبادت میں زیادہ مستعد ہو جانا اور ہم بستری چھوڑ دینا)۔ (ج)

حدیث ۲۴: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز پڑھتے تھے اور میں آپ کے سامنے (لیٹی) ہوتی تھی۔ (ب و ج)

فائدہ: اس سے یہ مسئلہ بھی عملاً منکشف ہوگیا کہ عورت کے سامنے ہونے سے نماز میں نقصان نہیں آتا۔

حدیث ۲۵: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے شریح نے پوچھا کہ جب نبی ﷺ گھر میں تشریف لاتے اول کس چیز سے ابتدا فرماتے؟ انھوں نے فرمایا: مسواک سے۔ (ج)

فائدہ: معلوم ہوا گھر میں تشریف لاکر بھی زیادہ طاعات کا شغل رہتا تھا۔

حدیث ۲۶: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دن متواتر گیہوں کی روٹی سے پیٹ نہیں بھرا یہاں تک کہ آخرت کا راستہ لیا۔ (ج)

فائدہ: ایسے حالات باہر والوں کو کیا معلوم ہوسکتے ہیں اور غالباً حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی ظاہر نہ فرماتے اور ان کا معلوم ہونا اس لیے ضروری ہے کہ امت ایسے حالات میں صبر ورضا اختیار کرلے اور اس کو اپنے نبی کا اتباع سمجھے۔

حدیث ۲۷: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنبی ہوتے تھے، پھر سو رہتے تھے اور پانی کو چھوتے بھی نہ تھے، یہاں تک کہ اس کے بعد اٹھتے پھر غسل فرماتے۔ (ج)

فائدہ: یہ بھی جائز ہے اور اگر وضو کرلیا جاوے تو زیادہ بہتر ہے، چناں چہ حدیث نمبر ۱۸ میں گزرا۔

حدیث ۲۸: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی کپڑے میں (بلا حائل)[1] (دل علیہ لفظ الحدیث: "في الشعار الواحد") شب گزارتے تھے اور میں حالتِ حیض میں ہوتی تھی۔ پھر اگر آپ کو (یعنی آپ کے کپڑے کو) مجھ سے کوئی چیز (خون وغیرہ) لگ جاتی تو اس کو دھولیتے اور (دھونے میں) اس سے آگے تجاوز نہ فرماتے۔ پھر اس (کپڑے) میں نماز پڑھ لیتے۔ (الف)

فائدہ: دوسری روایات میں ہے کہ ایسی حالت میں بی بی کو لنگی باندھ لینا چاہیے، تاکہ زانو اور ناف کے درمیان سے بدن مس نہ ہو۔ اور اس حدیث سے صریح معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے بدن پر بھی کپڑا ہوتا تھا، ورنہ اس کے کچھ معنی نہ ہوتے کہ آپ اس میں نماز پڑھ لیتے تھے۔ اور اگر زوجین میں سے ایک بھی لنگی باندھے ہو کافی ہے، تو بلا حائل بدن کے اعلیٰ حصّہ کے اعتبار سے فرمایا گیا ہے جیسا حدیث نمبر ۱۰ میں گزرا۔

حدیث ۲۹: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ہم (سب بیبیوں) کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (آیتِ تخییر کے نزول کے وقت بقصدِ تفویضِ طلاق) اختیار دیا تھا (خواہ آپ کے نکاح میں رہیں، خواہ اپنے نفس کو اختیار کریں جس سے طلاق واقع ہوجائے گی) ہم نے آپ ہی کو اختیار

کرلیا تو آپ نے اس واقعہ تخییر کو ہم پر کچھ شمار نہیں کیا (یعنی اس کو طلاق نہیں قرار دیا)۔ (الف)

فائدہ: اس سے مسئلہ ثابت ہوا کہ اگر زوج بہ نیت تفویضِ طلاق کے زوجہ سے اختیاری کہہ دے اور وہ اپنے نفس کو اختیار نہ کرے تو طلاق واقع نہ ہوگی۔

حدیث ۳۰: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (مجھ سے) فرمایا: مجھ کو مسجد میں سے چٹائی (اٹھا کر) دے دو۔ میں نے عرض کیا: میں حائضہ ہوں۔ فرمایا: تمہارا حیض تمہارے ہاتھ میں (تو) نہیں۔ (الف)

فائدہ: مطلب یہ ہے کہ مسجد میں حائض کو داخل ہونا جائز نہیں۔ تو اگر بدون داخل ہوئے صرف مسجد کو ہاتھ لگ جاوے تو کچھ حرج نہیں، جیسا اگر بدون داخل ہوئے مسجد کو پاؤں لگ جاوے جب بھی کچھ حرج نہیں، جیسے مسجد سے باہر بیٹھ کر بیٹھے بیٹھے صرف پاؤں مسجد کو لگا دے تو کچھ حرج نہیں۔ اور اگر کوئی ہاتھ کے بل مسجد میں داخل ہو جاوے وہ بھی جائز نہیں۔ غرض اصلی منہی عنہ دخول ہے نہ کہ لمس۔

حدیث ۳۱: غضیف بن الحارث کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ یہ بتلایئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غسلِ جنابت اولِ شب میں کرتے تھے یا آخرِ شب میں؟ فرمایا: کبھی اولِ شب میں آپ نے غسل فرمایا ہے، کبھی آخر شب میں۔ میں نے کہا: اللہ اکبر! اللہ تعالیٰ مستحقِ حمد ہے، جس نے عمل میں وسعت فرمائی۔ پھر میں نے پوچھا: یہ بتلایئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اولِ شب میں وتر پڑھتے تھے یا آخرِ شب میں؟ انھوں نے فرمایا: کبھی اولِ شب میں آپ نے وتر پڑھا ہے کبھی آخر شب میں۔ میں نے کہا: اللہ اکبر! اللہ تعالیٰ مستحقِ حمد ہے، جس نے عمل میں وسعت فرمائی۔ پھر میں نے پوچھا: یہ بتلایئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (تہجد میں) قرآن مجید جہر سے پڑھتے تھے یا آہستہ پڑھتے تھے؟ انھوں نے فرمایا کہ کبھی جہر سے پڑھا ہے کبھی آہستہ۔ میں نے کہا: اللہ اکبر! اللہ تعالیٰ مستحقِ حمد ہے، جس نے عمل میں وسعت فرمائی۔ (ج)

حدیث ۳۲: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر جس پر آپ شب کو سوتے تھے چمڑے کا تھا، جس کے اندر پوستِ خرما بھرا ہوا تھا۔ (ج)

فائدہ: اللہ اکبر! سلطانِ دوعالم کا یہ بستر جس پر آج غریب سے غریب کو بیٹھنے سے تکلیف ہو۔

حدیث ۳۳: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات فرمائی میرے گھر میں اور میرے دن میں (یعنی وہ دن حساب سے میری باری کا تھا) اور میرے پھیپھڑے اور سینہ کے درمیان میں (یعنی آپ کا سر مبارک میرے سینہ سے لگا ہوا تھا) اتنے میں عبدالرحمٰن بن ابی بکر آگئے اور ان کے پاس تازہ مسواک تھی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف دیکھا۔ میں نے خیال کیا کہ آپ کو اس کی خواہش ہے۔ میں نے ان سے لے کر اس کو چبایا اور اس کو جھاڑ پونچھ کر آپ کو دے دی۔ آپ نے خوب اچھی طرح مسواک کی، جیسے کبھی مسواک کرتے دیکھا تھا، پھر اس کو میری طرف بڑھایا، سو آپ کے ہاتھ سے گر گئی۔ اور اسی حدیث میں ہے کہ پھر آپ نے آسمان کی طرف نظر اٹھائی اور دعا کی: اے اللہ! رفیقِ اعلیٰ میں ملا دے، رفیقِ اعلیٰ میں ملا دے اور آپ کی روح مبارک روانہ (آخرت) ہوگئی۔ (ب و ج)

فائدہ: اسی قسم کا مضمون حدیث نمبرے میں گزرا ہے۔

حدیث ۳۴: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرضِ وفات میں فرمایا: اے عائشہ! وہ سونا کیا ہوا؟ سو وہ آپ کے پاس حاضر کیا گیا، جو پانچ اور سات یا آٹھ یا نو دینار کے درمیان تھا۔ (یعنی پانچ سے کم نہ تھے اور نو سے زیادہ نہ تھے) آپ ان کو اپنے دست مبارک سے الٹ پلٹ کر رہے تھے اور فرماتے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا (یعنی میرا) یہ خیال نہ تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ایسے حال میں ملیں کہ یہ (دنانیر) ان کے پاس ہوں۔ (اے عائشہ!) ان کو خرچ کر دو۔ (ج)

فائدہ: اللہ اکبر! اعراض عن الدنیا کی کیا حد ہے۔

حدیث ۳۵: اسود کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر والوں میں (تشریف لاکر) کیا کیا کرتے تھے؟ انھوں نے فرمایا: اپنے گھر والوں کی خدمت (یعنی کاروبار) میں (مشغول) رہتے تھے۔ (یعنی مخدوم وممتاز بن کر نہیں بیٹھتے تھے، بلکہ گھر کے کام بھی کر لیتے تھے، مثلاً: بکری کا دودھ نکال لیا، گھر میں جھاڑو دے لی، اپنی نعل

مبارک سی لی۔ هكذا في "شيم الحبيب" عن "الشمائل والشفاء" پس نفی ترفع وامتیاز کی ہے نہ کہ دوسرے اعمال وعبادات کی، وہ تو ان عادات پر بھی غالب تھیں)۔ (ج)

فائدہ: خلوت کے ایسے حالات بدون بیبیوں کے کس کو معلوم ہو سکتے ہیں اور اقتدا کے لیے معلوم ہونے کی سخت ضرورت ہے۔

حدیث ۳۶: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں پر ایک ایک مہینہ (کامل) گزر جاتا تھا جس میں آگ بھی نہ جلاتے تھے، (یعنی کھانا نہ پکتا تھا) بہ جز خرما اور پانی کے کچھ نہ ہوتا تھا، البتہ اگر کہیں سے گوشت آ گیا (تو اس کے پکانے کے لیے آگ جلانا پڑتی تھی)۔ (ج)

فائدہ: یہ راز بجز بیبیوں کے کون جان سکتا ہے اور ضرورت اس کے جاننے کی دو وجہ سے ہے: ایک آپ کے زہد کا معلوم ہونا، دوسرے اس زہد میں آپ کا اتباع کرنا۔

حدیث ۳۷: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو نماز پڑھتے رہتے تھے اور میں آپ کے سامنے آپ کے اور قبلہ کے درمیان میں بستر پر پڑی رہتی تھی، پھر جب آپ وتر پڑھنا چاہتے تو مجھ کو جگا دیا کرتے تھے۔ (ب وج)

فائدہ: جگانے کی غرض یہ تھی کہ یہ بھی تہجّد وغیرہ پڑھ لیں اور چوں کہ رات تھوڑی رہ جاتی تھی اس لیے اس میں ان کی راحت کی بھی رعایت تھی۔

حدیث ۳۸: وکیع کی روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آپ کے مرض (وفات) میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے ایک کنیسہ کا ذکر کیا، جو حبشہ میں انھوں نے دیکھا تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ اس میں تصاویر تھیں۔ آپ نے اس کی مذمت فرمائی۔

فائدہ: مرضِ وفات کی حالت کی تبلیغ میں بیبیاں ہی واسطہ بن سکتی ہیں اور یہاں ایسے کنیسہ کے دیکھنے میں بھی بیبیوں کا دخل تھا جس پر یہ تبلیغ فرمائی۔

حدیث ۳۹: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غسلِ جنابت کی کیفیت پوچھی گئی،

انھوں نے تفصیل بتلادی۔(ج)

فائدہ: عادۃً غسلِ جنابت صرف بیبیوں کے سامنے ہوتا ہے۔

حدیث ۴۰: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک حدیث طویل میں روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تہجّد بہ وجہ سورہنے یا کسی ورد یا کسی مرض کے سبب ناغہ ہو جاتا تو آپ دن میں (بطور اس کی قضا کے) بارہ رکعت پڑھ لیتے تھے۔(ج)

فائدہ: مردوں کو اس ناغہ کا پتہ بھی نہ لگتا۔

حدیث ۴۱: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ فرماتی ہیں: مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شوال میں نکاح کیا اور شوال ہی میں میں آپ کی خدمت میں بھیجی گئی (مراد رخصت ہے) پھر (دیکھ لو کہ) آپ کی کون سی بی بی آپ کے نزدیک مجھ سے زیادہ صاحبِ نصیب تھی (جاہلیت کے لوگ شوال میں نکاح کرنے کو منحوس سمجھتے تھے، اس کا رد کرنا مقصود ہے) سو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس بات کو پسند کرتی تھیں کہ ان (کے تعلّق) کی عورتیں شوال میں رخصت کی جاویں۔(الف)

حدیث ۴۲: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا (جو ازواجِ مطہرات سے ہیں) ایک شب میں اپنی حاجت ضروری کے لیے پردہ نازل ہونے کے بعد باہر نکلیں (اس وقت تک گھروں میں پائخانے نہ بنے تھے) اور وہ ایک بلند قامت اور جسیم عورت تھیں۔ کہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ مل گئے، ان کو پکار کر کہا: اے سودہ رضی اللہ عنہا! تم باہر نکلنے کے وقت ہم پر مخفی نہیں رہ سکتیں، ذرا دیکھ لیا کرو کیسی نکلتی ہو۔ وہ لوٹ آئیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئیں اور آپ رات کا کھانا نوش فرمارہے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی گفتگو کی خبر دی اور آپ کے دست مبارک میں ایک ہڈی تھی، پس آپ پر وحی ہونے لگی، پھر وحی ختم ہوئی اور وہ ہڈی آپ کے ہاتھ ہی میں تھی پھر آپ نے فرمایا کہ حاجت ضروری کے لیے تم کو باہر نکلنے کی اجازت دے دی گئی۔(الف)

فائدہ: معمولی عورت کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ تو کہتے ہی کیوں۔ پس اس حکم کے نازل ہونے میں زوجہ مطہرہ ہی کو دخل ہوا۔

حدیث ۴۳: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حبشی لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے

(ہتھیاروں سے) کھیل رہے تھے۔ میں آپ کے کندھے کے اوپر سے (ان کا کھیل دیکھنے کے لیے) جھانکنے لگی۔ آپ نے اپنے کندھوں کو جھکا دیا، پس میں آپ کے کندھے کے اوپر سے دیکھتی رہی یہاں تک کہ میرا جی بھر گیا، پھر میں (گھر میں) لوٹ گئی۔ (ب)

فائدہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس وقت کم عمر تھیں۔ اور عورت کا مرد کی طرف نظر کرنا جب کہ دیکھنا مقصود بھی نہ ہو اور کوئی فتنہ بھی مظنون نہ ہو مباح ہے۔ اور چوں کہ اس کے عکس میں فتنہ غالب ہے اس لیے بلا ضرورت شدیدہ جائز نہیں۔ اور یہ کھیل محض کھیل نہ تھا، فن سپہ گری کی مشق ہے، جس کا کفار کے مقابلہ کی آمادگی کے لیے حکم ہے۔

حدیث ۴۴: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں (جب اول اول رخصت ہوکر آئی تو کم عمری کی وجہ سے) گڑیاں کھیلا کرتی تھی۔ (ان کا نام گڑیا تھا تصویر دار نہ تھی) اور میری سہیلیاں بھی میرے ساتھ کھیلا کرتیں۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو (تشریف لاتے ہوئے) دیکھتیں تو چھپ جاتیں۔ آپ ان کو میرے پاس بھیج دیتے، پھر وہ میرے ساتھ کھیلنے لگتیں۔ (ب)

فائدہ: اس سے بیبیوں کے ساتھ حسنِ معاشرت کا اندازہ کرلیا جاوے۔

حدیث ۴۵: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: مجھ کو کسی عورت پر اتنا رشک نہیں ہوا جس قدر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا پر ہوا، حالاں کہ وہ میرے نکاح سے تین سال پہلے وفات پا چکی تھیں (یعنی جمع ہونا سبب رشک کا نہ تھا بلکہ) وجہ یہ تھی کہ میں آپ کو ان کا ذکر کرتے ہوئے سنا کرتی تھی اور (من جملہ اس ذکر کے ایک ذکر یہ تھا کہ) آپ کو آپ کے پروردگار عز وجل نے یہ حکم دیا تھا کہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو ایک مجوف موتی کے گھر کی بشارت دیں جو جنّت میں ہوگا اور (نیز) آپ (کبھی) بکری ذبح فرماتے، پھر اس میں سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سہیلیوں میں بھیجا کرتے۔ (ب)

فائدہ: یہ رشک ظاہراً طبعی تھا جس پر کوئی ملامت نہیں، خصوص سوت کے رشتہ میں عورت فطرتاً مغلوب ہو جاتی ہے۔ اور اگر رشک عقلی تھا تب بھی ان کے ضرر کی تمنّا نہ تھی، بلکہ اپنے نفع کی طالب تھیں، سو ایسا رشک محمود ہے، خصوص جب منشا اس کا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور آپ

کی توجہ وعنایت کی حرص ہو اور یہاں کسی دوسرے منشا کا احتمال ہی نہیں، سب جانتے ہیں کہ یہاں نہ مال تھا نہ دولت تھی۔

حدیث ۴۶: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شیریں چیز کو اور شہد کو پسند فرماتے تھے اور آپ کا معمول تھا کہ عصر کی نماز پڑھ کر سب بیبیوں کے یہاں دورہ فرماتے تھے اور ان کے پاس (تھوڑی تھوڑی دیر) تشریف رکھتے تھے۔ سو (ایک بار) حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے اور ان کے پاس معمول سے زیادہ توقف فرمایا۔ میں نے (یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے) اس کی تحقیق کی۔ مجھ سے یہ کہا گیا کہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی قوم کی ایک بی بی نے ان کے لیے ایک کپی شہد کی ہدیۃً بھیجی تھی، انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس میں سے (شربت بنا کر) پلایا تھا۔ میں نے کہا: واللہ! ہم آپ کے لیے کوئی بات بنائیں گے۔ میں نے اس کو حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے ذکر کیا (ابھی تک ان کے پاس تشریف نہ لائے تھے) اور یوں کہا کہ جب تمہارے پاس تشریف لاویں اور قریب ہو کر بیٹھیں تو یوں کہنا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا آپ نے مغافر نوش فرمایا ہے؟ (مغافر کسی بدبودار درخت کا گوند ہے) آپ یہی فرماویں گے کہ نہیں۔ تب تم یہ کہنا کہ یہ بدبو کیسی ہے؟ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر (غایتِ نفاست واطافت سے) یہ امر بہت گراں تھا کہ آپ سے بدبو محسوس ہو۔ پھر آپ یوں فرماویں گے کہ مجھ کو حفصہ رضی اللہ عنہا نے شہد کا شربت پلایا تھا تو اس وقت یوں کہنا کہ شاید شہد کی مکھی عرفط پر (یہ ایک درخت ہے) بیٹھ گئی ہوگی اور میں بھی یہی کہوں گی اور صفیہ رضی اللہ عنہا! تم بھی یہی کہنا۔

جب آپ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے، حضرت سودہ رضی اللہ عنہا (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے) کہتی ہیں کہ واللہ! تمہارے ڈر سے اتنا تقاضا ہوا کہ آپ ابھی دروازہ ہی پر تھے قریب تھا کہ وہاں ہی سے (وہ بات) کہہ دوں۔ غرض جب آپ قریب تشریف لائے تو میں نے (حسبِ قرار داد) عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا آپ نے مغافر نوش فرمایا ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں۔ میں نے کہا: یہ بو کیسی ہے؟ آپ نے فرمایا: مجھ کو حفصہ نے شربت شہد کا پلایا تھا۔ میں نے کہا: شہد کی مکھی عرفط پر بیٹھ گئی ہوگی۔ پھر جب میرے پاس (یعنی حضرت

عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس) تشریف لائے، میں نے بھی یہی بات کہی۔ پھر حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے، انھوں نے بھی یہی کہا۔

پھر جب (دوسرے دورہ میں) حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے تو انھوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! شہد کا شربت پلاؤں؟ آپ نے فرمایا: مجھ کو حاجت نہیں۔ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا (تعجب سے) کہنے لگیں: سبحان اللہ! ہم نے شہد کو ممنوع بنا دیا۔ میں نے کہا: چپکی رہو (کبھی پتہ لگ جاوے)۔

فائدہ ۱: اگر ازواج میں تعدد نہ ہوتا ایسے واقعہ کا تحقق ہی نہ ہوتا تو اس کے احکام ہی نہ معلوم ہوتے جواب معلوم ہوئے۔

فائدہ ۲: اس قصّہ کے ابتدائی حصّہ سے ایک مسئلہ ثابت ہوا۔ وہ یہ کہ باری شب باشی میں ہوتی ہے، دن کی آمد ورفت میں باری واجب نہیں۔ چناں چہ باری حساب سے ایک ہی بی بی کی تھی مگر دن میں آپ سب بیبیوں کے پاس تشریف لے جاتے تھے۔ البتہ جس شخص کو شب میں فرصت نہیں اس کے لیے دن بمنزلہ شب کے ہے۔

فائدہ ۳: ایک روایت میں شہد پلانے والی حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا ہیں اور مشورہ کرنے والی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وحضرت حفصہ رضی اللہ عنہا اور اس واقعہ میں سورۂ تحریم کی آیات کا نزول بھی مذکور ہے۔ كذا في "جمع الفوائد" عن الشيخين۔ اگر اس کو تعددِ واقعہ پر محمول کر کے جمع کرنا ممکن ہو جمع کر دیا جاوے، ورنہ شیخین کی روایت مقدم ہے۔ بہر حال اس وقت یہ بحث مطمحِ نظر نہیں، اس مقام میں جو مقصود ہے اس میں دونوں روایتیں برابر ہیں یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا برتاؤ دکھلانا اپنے گھر والوں سے، کہ کس قدر دل جوئی ونرمی اور ان کی معمولی کمزوریوں پر جس کا اثر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہی تک ہو دین تک نہ پہنچے چشم پوشی فرمانا۔

رہا یہ کہ ازواج مطہرات سے ایسا امر کیوں صادر ہوا؟ وہ بشر تھیں اور معصوم نہ تھیں، پھر فعل بھی کوئی کبائر سے نہ تھا، پھر منشا بھی اس کا محض توجہ اقدس میں اوروں سے زیادہ اپنا حصّہ لینا جس کا سبب حُبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھا نہ کہ حب دنیا۔ اور گو اس عذر سے یہ فعل جائز نہ ہو

جاوے گا، ورنہ قرآن مجید میں اس پر عتاب ہی نہ ہوتا، لیکن اس درجہ کا ناجائز بھی نہیں ہے جس پر تشنیع شدید ہوسکے۔ پھر سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ اپنے ایسے واقعات پر بھی پردہ نہیں ڈالتیں، راوی سے خود ہی بیان کر رہی ہیں، جن کے متعلق جانتی ہیں کہ ان سے اس روایت کا سلسلہ آگے چلے گا اور قیامت تک چلتا رہے گا۔ یہ کتنی بڑی علامت ہے ان کے تواضع وصدق وخلوص کی، خصوص جب یہ قصد ہو کہ اس قصّہ سے امت کو احکام معلوم ہوں گے۔ چناں چہ ایک حکم کی طرف فائدہ حدیث کے شروع میں احقر نے بھی اشارہ کیا ہے یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نرمی اور ازواج کی دل جوئی۔ چناں چہ حق تعالیٰ کے کلام میں اس کی تصریح بھی ہے: ﴿تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ﴾

اور یہ بات کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا اس قصّہ کے بیان سے یہی قصد تھا کہ احکام ظاہر ہوں، اس کا قرینہ ایک دوسری حدیث میں ہے، جس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حبشیوں کی ورزش حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے ہوکر دیکھی، اس میں ان کا قول بھی ہے:

رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَسْتُرُنِيْ بِرِدَائِهِ - إلى قولها - فَاقْدُرُوْا قَدْرَ الْجَارِيَةِ الْحَدِيْثَةِ السِّنِّ الْحَرِيْصَةِ عَلَى اللَّهْوِ. كذا في "مسند أحمد" أيضًا. یہ قول اس حکمت کے قصد میں صریح ہے۔ پس سازش اگرچہ نامناسب تھی مگر صدہا مصالح کی کلید تھی۔ پس غلبہ اس میں بھی حسنات ہی کو رہا۔ پس اس بنا پر یہ کہنا بہت برمحل ہوسکتا ہے:

خون شہیداں از آب اولیٰ تر است
ایں خطا از صد صواب اولیٰ تر است

اور اسی واسطے میں قصداً اس حدیث کو لایا ہوں، تاکہ کسی شخص کو یہ شبہ نہ ہو کہ اپنے بزرگوں کے معتقد بنانے کے لیے فضائل فضائل منتخب کر لیے۔ سو میں نے دکھلا دیا کہ جن کو تم نقائص سمجھتے ہو، وہ بھی فضائل ہی کے افراد ہیں، ان کے ظاہر ہونے سے ہم نہیں شرماتے۔

حدیث ۴۷: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے افک کی طویل حدیث میں یہ جُز بھی ہے کہ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کو (جو کہ ازواج مطہرات میں سے ہیں) اللہ تعالیٰ نے ان کے دین

کی بدولت (میری نسبت کچھ کہنے سے) محفوظ رکھا۔ سوانھوں نے بہ جز بھلائی کے کوئی بات (برائی کی) نہیں کہی۔ باقی ان کی بہن حمنہ، وہ ہلاکت میں پڑ گئیں (یعنی ان کے منہ سے بھی کچھ نکل گیا)۔ (الف)

فائدہ: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم مبارک کی کیا برکت تھی کہ باوجود سوت ہونے کے اس موقع کو نکتہ چینی کے لیے غنیمت نہیں سمجھا، بلکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت کی شہادت دی۔ یہ صریح دلیل ہے کہ حدیث بالا میں جو واقعہ ہے وہ عداوت سے نہ تھا اور نہ وہ کسی ضرر کے درجہ تک تھا، اس لیے ایسی غلطی ہوگئی۔ یہاں ضرر تھا، اس میں کیسی کچھ احتیاط فرمائی۔

اور اس سے یوں نہ سمجھا جاوے کہ دوسری ازواج مطہرات نے کچھ کہا تھا، باقی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جو صرف حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا نام لیا تو بمقابلہ ان کی بہن کے، کہ وہ تو بہن کی طرف داری میں کچھ بولیں بھی مگر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کچھ نہیں بولیں، نہ کہ بمقابلہ دوسری ازواج کے۔ غایت یہ کہ دوسروں کے اقوال منقول نہیں، سو یہ کوئی مضر نہیں، بعض دفعہ رنج اور پریشانی یا تحیر و توحش کے غلبہ میں آدمی ساکت رہ جاتا ہے۔

حدیث ۴۸: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ جب دس دن رمضان کے رہ جاتے تو اپنی کمر کس لیتے تھے اور اپنی بیبیوں سے الگ ہو جاتے تھے (یعنی ہمہ تن عبادت میں مشغول ہو جاتے تھے)۔ (ج)

حدیث ۴۹: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا[1] فرماتی ہیں کہ جب حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کی عمر زیادہ ہوگئی تو انھوں نے اپنی باری کا دن مجھے دے دیا۔ سو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیبیوں کے ساتھ میرا حصہ مع ان کے دن کے لگایا کرتے اور حضرت سودہ رضی اللہ عنہا اول بی بی تھیں جن کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے آپ نے نکاح کیا۔ (الف)

فائدہ: اس سے ایسی رعایت کا جواب بھی ثابت ہوا اور یاد رکھنا چاہیے کہ اس ہبہ سے رجوع کرنے کا بھی ہمیشہ حق حاصل رہتا ہے۔

---

[1] صرح به في "زاد المعاد".

حدیث ۵۰: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ قسم ہے اس ذات کی جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ بھیجا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چھلنی کبھی نہیں دیکھی اور نہ آپ نے چھنے ہوئے آٹے کی روٹی کبھی کھائی جب سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو مبعوث فرمایا یہاں تک کہ وفات فرمائی۔ (عروہ کہتے ہیں کہ) میں نے پوچھا کہ آپ لوگ جَو کو کیوں کر کھاتے تھے؟ بولیں کہ بس اف کردیتے تھے (یعنی آٹے میں پھونک ماردی جو اڑنا تھا اڑ گیا جو رہ گیا کھالیا)۔ (ج)

فائدہ: اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زہد ظاہر ہوتا ہے۔

حدیث ۵۱: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاص اہتمام فرماتے تھے شعبان کے روزہ کا اور پیر اور جمعرات کے روزہ کا۔ (ج)

فائدہ: مردوں کو بعض اوقات ایسے امور کی اطلاع بھی نہیں ہوتی اور گھر کی بیبیوں سے ایسے امور مخفی نہیں رہتے۔ یہ مصلحت کثرتِ ازواج کی تھی کہ تعددِ رواۃ سے روایت میں قوت ہوتی ہے۔

حدیث ۵۲: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ہم نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کیا۔ آپ نے اپنی سب بیبیوں کو عمرہ کرایا اور مجھ کو چھوڑ دیا (یعنی مجھ کو عمرہ نہیں کرایا، کوئی عذر ہوگا)۔ میں اپنے دل میں رنجیدہ ہوئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سب بیبیوں کو عمرہ کرایا اور مجھ کو چھوڑ دیا۔ میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے اپنی سب بیبیوں کو عمرہ کرایا اور مجھ کو چھوڑ دیا؟ آپ نے عبدالرحمٰن سے (یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھائی ہیں) فرمایا: اپنی بہن کے ساتھ (تنعیم) جاؤ، یہ عمرہ لے آوے، پھر ان کو بیت اللہ اور صفا مروہ کا طواف کرادو، پھر (احرام کھول کر) یہ اس کو ختم کردیں، پھر ان کو میرے پاس پہنچادو قبل اس کے کہ شب محصب میں گزاروں۔ وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محصب میں صرف میری وجہ سے قیام فرمایا تھا۔ (ب)

فائدہ: اس سے دو مسئلے ثابت ہوئے: ایک یہ کہ ایسے امور میں ازواج میں برابری واجب نہیں۔ دوسرا یہ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا گو سب بیبیوں سے زیادہ محبوب تھیں مگر پھر بھی آپ اس محبّت میں مغلوب نہ تھے، ورنہ ممکن نہ تھا کہ اوروں کو عمرہ کراویں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو نہ کراویں۔

حدیث ۵۳: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنی کسی بیٹی کا نکاح کرنا

چاہتے تو ان کے پردہ کے پاس بیٹھتے اور فرماتے کہ فلاں مرد فلاں عورت کا (یعنی تمہارا) ذکر کرتا تھا (یعنی نکاح کا پیام دیتا تھا) اس عورت کا بھی نام لیتے تھے اور اس مرد کا بھی جو کہ ذکر کرتا تھا۔ پھر اگر وہ خاموش ہوگئی تو ان کا نکاح کر دیتے تھے اور اگر وہ ناپسند کرتیں تو چٹکی[1] ماردیتیں۔ جب وہ اس طرح انگلی ماردیتیں تو ان کا نکاح نہیں کرتے تھے۔ (الف)

فائدہ: عملی تعلیم کا قولی تعلیم سے زیادہ مؤثر ہونا ظاہر ہے اور اس عملی تعلیم پر یا ہر کے مردوں کا مطلع ہونا عادتاً دشوار ہے اور کراہت کی اس زمانہ میں یہ علامت ہوگی یا آپ نے خاص اس وقت یہ اصطلاح مقرر فرمادی ہوگی اور پردہ ڈال لینا اپنی یا بیٹی کے خجلت کے سبب تھا۔

حدیث ۵۴: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (رمضان کے اخیر) عشرہ میں اس قدر محنت (عبادت میں) فرماتے تھے کہ دوسرے دنوں میں اتنی نہ فرماتے تھے۔ (حالاں کہ اور دونوں میں بھی آپ کی مشقت عبادت میں متواتر ہے حتی کہ قدم مبارک پھول جاتے اور پھٹ جاتے تو رمضان کے اس عشرہ میں مشقت کی کیا حالت ہوتی ہوگی؟) (ج)

فائدہ: چناں چہ اس حدیث کے ایک صفحہ کے بعد ہی ایک حدیث ہے جس میں تہجّد میں آپ کے سجدہ کی مقدار پچاس آیتیں روایت کی گئی ہے اور ظاہر ہے کہ رکوع اور سجدہ متناسب ہوتے ہیں اور قیام رکوع وسجدہ سے بہت زیادہ ہوتا ہے، اگر مضاعف ہی رکھا جاوے تو بقدر سو آیتوں کے ہوا تو اس طرح رکعت کتنی طویل ہوئی، یعنی اوسط مقدار دوسو آیتوں کے ہوئی۔ اور اسی طرح سے اس حدیث میں گیارہ رکعتیں آئی ہیں تو دو ہزار دوسو آیتوں کی قدر ہوئی تو سب رکعتیں قریب پندرہ پارہ کے ہوتی ہیں۔ کیوں کہ سورۂ بقرہ سے سورۂ کہف کے ختم تک چوالیس کی زیادتی کے ساتھ اتنی ہی آیتیں ہوتی ہیں۔

حدیث ۵۵: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تذکرہ فرمایا کہ رمضان میں عشرہ اخیرہ کا اعتکاف فرماویں گے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی آپ سے اجازت (اعتکاف کی) مانگی۔ آپ نے ان کو اجازت دے دی۔ انھوں نے اپنی

[1] فی الصراح: نقر انگشتک زدن۔

چھول داری لگانے کا حکم دیا، وہ لگا دی گئی۔ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے درخواست کی کہ ان کے لیے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے لیں۔ انھوں نے ایسا ہی کیا (یعنی) اجازت لے لی۔ انھوں نے بھی اپنی چھول داری لگانے کا حکم دیا، وہ لگادی گئی۔ جب یہ قصّہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے دیکھا انھوں نے بھی اپنی چھول داری لگانے کا حکم دیا، وہ بھی لگادی گئی۔ (یہ چھول داریاں مسجد کے قریب لگائی گئیں، کیوں کہ عورت کے اعتکاف کے لیے مسجد شرط نہیں) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز پڑھ چکے اور (مسجد سے) لوٹے تو یہ سب چھول داریاں دیکھیں۔ آپ نے پوچھا: یہ چھول داریاں کیسی ہیں؟ لوگوں نے عرض کیا: یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وحضرت حفصہ رضی اللہ عنہا وحضرت زینب رضی اللہ عنہا کی چھول داریاں ہیں۔ آپ نے (ان تینوں سے خطاب کرکے) فرمایا: کیا تم کو اس (عمل) سے خیر (یعنی اجر) مقصود ہے (یعنی نیت خالص اعتکاف کی نہیں بلکہ باہم تفاخر ہے) میں بھی اعتکاف نہیں کرتا۔ آپ نے (اعتکاف سے) رجوع فرمالیا۔ جب عید کرلی اس وقت شوال کے دس دن میں اعتکاف فرمایا (تاکہ اس کا بدل ہو جاوے اور اس وقت تک اعتکاف شروع نہیں ہوا تھا، سامان اعتکاف کا ہو رہا تھا)۔ (ب)

فائدہ: اس واقعہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عملاً یہ بتلا دیا کہ بی بی کے حقوق صرف نان ونفقہ ہی نہیں بلکہ اس کے دین کی اصلاح سب سے اہم حق ہے۔ اور یہ بھی بتلا دیا کہ اصلاح صرف قول سے کافی نہیں بلکہ بعض اوقات عملی اصلاح کی بھی حاجت ہوتی ہے۔ اور یہ بھی بتلا دیا کہ اگر اپنے متعلّقین کی اصلاح کے لیے کچھ اپنی حالت میں بھی تبدیل کی ضرورت ہو اس کو اختیار کرنا چاہیے گو وہ تبدیل افضل سے فاضل ہی کی طرف ہو، جیسا رمضان کا اعتکاف شوال کے اعتکاف سے افضل تھا اور آپ نے اس کو ترک فرما دیا۔ اور یہ بھی بتلا دیا کہ باب تربیت میں تشخیص میں بھی اور تجویز میں بھی شیخ مطاعِ مطلق ہے، طالب کو اس سے حق مزاحمت نہیں پہنچتا، اس لیے ازواج مطہرات نے نہ تشخیصِ نیت میں کلام کیا کہ ہماری نیت محض ثواب کی ہے اور نہ تجویز میں کہ اچھا اب ہم نیت درست کیے لیتے ہیں۔ اور نیز بتلا دیا کہ دین میں کسی کی رعایت نہیں۔ دیکھیے! ازواج اول تو سب محبوب ہوتی ہیں خصوص حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کتنی

محبوب تھیں مگر آپ نے اصلاحِ دین میں ان کی بھی ذرا رعایت نہیں فرمائی اور گو طرقِ اصلاح میں مساوات ضروری نہیں مگر یہ اعلیٰ درجہ کا عدل ہے کہ اس میں بھی برابری فرمائی اور متعدد ازواج والوں کو آپ نے یہ ایک بہت بڑا درس عطا فرما دیا۔

حدیث ۵۶: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس مقامِ سرف میں تشریف لائے اور مجھ کو خون آ گیا تھا۔ آپ نے مجھ سے پوچھا: کیا تم کو خون آ گیا؟ میں نے عرض کیا: ہاں! یا رسول اللہ۔ اور یہ بھی کہا کہ میں خیال کرتی ہوں کہ عورتیں صرف شر ہی کے لیے پیدا ہوئی ہیں (کہ اس حالت میں بہت سی طاعات سے محروم رہ جاتی ہیں)۔ آپ نے فرمایا: نہیں، (یہ سمجھنا غلط ہے کہ مطلقاً طاعات سے محروم رہ جانا شر ہے، کیوں کہ شر منحصر ہے معصیت میں اور جو طاعات اس حالت میں ادا نہیں ہو سکتیں وہ مامور بہ نہیں ہیں، اس لیے ان کا ترک معصیت نہیں، پس شر لازم نہیں آیا۔ اور محض خیر سے حرمان یہ شر نہیں، جیسے کسی کے ہاتھ پاؤں ماؤف ہیں اور وہ اس لیے جہاد نہیں کر سکتا تو اس حرمان کو شر نہیں کہا جاوے گا۔ اور یہ بھی فرمایا کہ) لیکن یہ ایک ایسی چیز ہے جس میں اولادِ آدم کی عورتیں (بلا اختیار) مبتلا کر دی گئیں (اور یہ نقصان غیر اختیاری ہوا جس پر کوئی ملامت نہیں)۔ (الف)

فائدہ: دیکھیے! غیر منکوحہ عورت کے ساتھ ایسی صاف مخاطبت کب ہو سکتی ہے۔ اگر ازواج نہ ہوتیں تو اتنا بڑا مسئلہ مبہمہ صاف نہ ہوتا۔

حدیث ۵۷: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج نے حضور اقدس کی صاحب زادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں) بھیجا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ایک چادر میں (آرام فرماتے) تھے۔ آپ نے (ان کی اجازت لینے پر اندر آنے کی) ان کو اجازت دے دی۔ (یہ نص ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بے دھڑک نہیں چلی آئیں، بلکہ اجازت لے کر آئیں اور یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اس وقت بھی آپ اسی چادر میں لیٹے رہے، کیوں کہ یہ حالت حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے آنے سے پہلے کی مذکور ہے) پس وہ اندر آ گئیں اور عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کی بیبیوں نے مجھ کو آپ کی

خدمت میں بھیجا ہے، آپ سے ابوقحافہ کی بیٹی (یعنی پوتی یعنی حضرت عائشہ بنت ابی بکر بن ابی قحافہ) کے مقدمہ میں عدل کی درخواست کرتی ہیں۔ (امورِ اختیاریہ میں تو عدل کا آپ سخت اہتمام فرماتے تھے، حدیثوں میں مصرح ہے۔ غالبًا حضرات ازواج امورِ غیر اختیاریہ میں بھی عدل چاہتی ہوں گی، گو وہ ضروری نہیں، لیکن جی تو چاہتا ہی ہوگا کہ ہم سے بھی ویسے ہی محبّت فرماویں۔ واللہ اعلم)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (جواب میں) فرمایا: اے پیاری بیٹی! کیا تم اس چیز سے محبّت نہیں کرتی ہو جس سے میں محبّت کروں؟ انھوں نے عرض کیا: کیوں نہیں۔ آپ نے فرمایا: تو پھر ان سے محبّت کرو۔ یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی نسبت فرمایا۔ (جواب میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے محبّت کا ذکر فرمانا قوی قرینہ ہے کہ یہ درخواست محبّت ہی کے متعلق تھی۔ تو حاصل جواب کا یہ ہوا کہ مجھ کو ان سے خاص محبّت ہے، سو خود میرے تعلّق والوں کو ان سے محبّت کرنا چاہیے، نہ کہ مجھ کو محبّت سے روکا جاوے)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ بس فاطمہ رضی اللہ عنہا (یہ سن کر) اٹھ کر چلی گئیں۔

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج (حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس) آئیں۔ انھوں نے ان سے سب بیان کیا، جو کچھ انھوں نے عرض کیا تھا اور جو کچھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے (جواب میں) فرمایا۔ سب بولیں: تم نے تو ہمارا کچھ کام بھی نہ کیا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پھر جاؤ۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بولیں: واللہ! میں آپ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے باب میں کبھی گفتگو نہ کروں گی۔

پھر سب ازواج نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کو بھیجا انھوں نے جا کر (اندر آنے کی) اجازت چاہی آپ نے ان کو اجازت دے دی، وہ اندر آ گئیں اور عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھ کو آپ کے پاس آپ کی ازواج نے بھیجا ہے، آپ سے ابی قحافہ کی بیٹی (یعنی پوتی) کے بارہ میں عدل کی درخواست کرتی ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: پھر حضرت زینب رضی اللہ عنہا میرے پیچھے پڑ گئیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھنا شروع کیا کہ آپ مجھ کو ان (کو جواب دینے) کے مقدمہ میں کب اجازت دیتے ہیں۔ میں اسی حالت پر رہی (اور کچھ بولی نہیں) یہاں تک کہ (قرائن سے) میں نے پہچان لیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو

میرا انتقام لینا ناگوار نہ ہوگا۔ پھر جو میں حضرت زینب کے پیچھے لگی تو کچھ بھی دیر نہیں لگی کہ میں نے ان کو خاموش کر دیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا، پھر ارشاد فرمایا کہ یہ (آخر تو) ابوبکر کی بیٹی ہے (جو فصاحت و بلاغت میں کامل ہیں تو اولاد میں باپ کا اثر ہونا عجیب نہیں)۔ (ب)

فائدہ: اس حدیث سے چند امور معاشرتِ ازواج کے متعلق ثابت ہوئے: ایک یہ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے ان معاملات میں کوئی خاص دخل نہیں دیا۔ تعددِ ازواج والے کو یہی چاہیے کہ ایسے خفیف قصوں میں دخل نہ دے، جب تک کہ ایک دوسرے پر ظلم نہ کرنے لگے۔

دوسرے یہ کہ آپ نے خود بھی کوئی قانونی جواب نہیں دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اپنے گھر والوں کے ساتھ خالص ضابطہ کا برتاؤ کرنا مناسب نہیں، جیسا اجانب کے ساتھ کیا جاتا ہے کہ اس سے دل شکنی ہوتی ہے۔

تیسرے یہ کہ بیبیوں کو شوہر پر کسی قدر دلیری کی گنجائش ہے۔ چوتھے یہ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بیبیاں اس قدر مؤدب و مہذب تھیں کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا بدون اجازت لیے ہوئے اندر نہیں آئیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ بے تکلفی اور چیز ہے اور بدتمیزی اور چیز ہے۔ یہ سب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حسنِ تعلیم کا ثمرہ ہے۔ یہ چوتھا امر معاشرت کے متعلق ثابت ہوا اور ایسی بے تکلفی کے ساتھ ایسی تعلیم کا جمع ہونا عجائب میں سے ہے۔

پانچواں امر یہ کہ عدل کے مواقع محدود ہیں، ہر ہر معاملہ میں عدل ضروری نہیں، ورنہ اول تو حضرات ازواج اس کی درخواست نہ کرتیں اور اگر کرتیں تو ان کو یہی جواب دے دیا جاتا کہ ہر امر میں عدل تو ہوتا ہے؟ اب آگے مواقع عدل کی تفصیل یہ مجتہد فیہ ہے، علما اس میں مختلف بھی ہیں اور سب سے زیادہ تشدید و تاکید اس باب میں مذہبِ حنفی میں ہے۔

چھٹا امر یہ معلوم ہوا کہ ایسے معمولی واقعات بزرگی کے خلاف نہیں، ورنہ حضور ہرگز تسامح نہ فرماتے۔

حدیث ۵۸: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے: ان سے ذکر کیا گیا کہ بعض لوگ پورا قرآن ایک رات میں ایک دفعہ یا دو دفعہ پڑھ لیتے ہیں۔ انھوں نے فرمایا کہ ان لوگوں نے پڑھا بھی

اور نہیں بھی پڑھا (یعنی الفاظ کی تو تلاوت کر لی مگر اس کا حق ادا نہیں کیا)۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمام رات کھڑی رہتی تھی اور آپ (نماز میں) سورۂ بقرہ اور آلِ عمران اور سورۂ نساء پڑھتے تھے، سو آپ کسی آیت پر جس میں خوف (کا مضمون) ہو نہیں گزرتے تھے مگر اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے تھے اور پناہ مانگتے تھے اور کسی ایسی آیت پر جس میں بشارت ہو نہیں گزرتے تھے مگر اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے تھے اور (اس کا) سوال کرتے تھے (یعنی ایسی آیتوں کے مضمون کا حق ادا کرنے میں اتنی دیر لگ جاتی تھی کہ تمام رات میں ایک منزل پڑھنے پاتے تھے)۔ (ج)

فائدہ: آپ کی عبادت کے ساتھ بی بی صاحبہ کی کیسی عبادتِ شاقہ ثابت ہوتی ہے، تو دربارِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں شغلِ نکاح عیش و عشرت کے لیے نہ تھا بلکہ دینی مصالح کے لیے تھا۔

حدیث ۵۹: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ مجھ کو خبر نہیں ہوئی، یہاں تک کہ حضرت زینب میرے پاس بلا اجازت آ پہنچیں اور وہ غضب ناک تھیں، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بولیں: بس آپ[1] کے (میلان) کے لیے تو یہی کافی ہے کہ یہ ابوبکر کی بٹیا اپنے دونوں ہاتھوں کو آپ کے سامنے گردش دے (یعنی ان کے ہاتھوں کی حرکت کی ادا آپ کی کشش کے لیے کافی ہے) اس کے بعد وہ میری طرف متوجہ ہوئیں، میں نے ٹال دیا، یہاں تک کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم بھی خبر لو اور بدلہ لو۔ پھر میں بھی ان کی طرف متوجہ ہوئی، یہاں تک کہ میں نے ان کو دیکھا کہ ان کے منہ میں ان کا تھوک خشک ہو گیا کہ مجھ کو کچھ جواب نہ دے سکتی تھیں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ کا چہرہ (بشاشت سے) چمکتا تھا۔ (ب)

فائدہ: ظاہراً یہ قصہ حدیث نمبر ۵۷ کے مغایر ہے اور اِس میں جو بلا اجازت چلا آنا مذکور ہے یا تو وہ وقت اذنِ عام کا ہوگا، ایسے وقت میں اجازت لینا ضروری نہیں اور یا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو خبر نہیں ہوئی، وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت پر آ گئیں۔ اور اس سے معلوم ہوا کہ بی بی کا ایسی بات شوہر کو کہہ دینا خلافِ ادب نہیں، کیوں کہ دلالتِ حال سے اس کو گوارا ہوتی ہے۔ اور بدلہ لینے کے لیے آپ کا اجازت دے دینا شاید اس لیے ہو کہ آپ کو یہ محسوس ہو گیا ہوگا کہ یہ بدلہ لینا چاہتی ہیں مگر

---

[1] لفظها: "أحسبك"، فالاستفهام للتقرير.

میرے ادب سے خاموش ہیں اور بدلہ لینا مباح تھا اس لیے آپ نے مباح میں تنگی نہیں فرمائی۔

حدیث ۶۰: ابو سلمہ ابن عبد الرحمٰن کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مہر کتنا تھا؟ انھوں نے فرمایا کہ آپ کا مہر جو بیبیوں کے لیے ٹھہرایا گیا تھا بارہ اوقیہ اور ایک نش تھا۔ (پھر) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ تم جانتے ہو نش کیا چیز ہے؟ میں نے کہا: نہیں (جانتا)۔ فرمایا: نصف اوقیہ ہوتا ہے، یہ سب ملا کر پانچ سو درہم ہوئے۔ پس یہ تھا مہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو بیبیوں کے لیے ٹھہرایا گیا تھا۔ (الف)

فائدہ: ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے اور درہم تقریباً ساڑھے چار آنہ کا ہوتا ہے اور پانچ سو درہم کے دو آنہ کم ایک سو سینتیس روپیہ ہوتے ہیں۔ اس سے مہر کی مقدار معتدل ظاہر ہوئی، جو نہ اتنا کم ہے جس سے منکوحہ کی بے قدری ہو اور نہ اتنا زیادہ ہے کہ مرد کے تحمّل سے خارج ہو۔ اور دنیا میں چوں کہ زیادہ حصّہ غیر مال دار لوگوں کا ہے یہ مقدار ان ہی کے اعتبار سے معتدل ہے۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کا حکم صرف قولاً دیتے شان داروں کو یہ شبہ باقی رہتا کہ شاید حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کو اپنے لیے گوارا نہ فرماتے۔ اب بار بار اس مقدار کو اختیار فرمانا اس شبہ کے لیے بالکل قاطع ہے اور یہ مقدار اکثر ازواج کے مہر کی ہے۔

حدیث ۶۱: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی بات میں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا پر ناخوش ہو گئے۔ حضرت صفیہ نے (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے) کہا: اے عائشہ رضی اللہ عنہا! مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خوش کر دو اور میرا دن (باری کا) تمہارا رہا۔ (یعنی جو دن میرے پاس حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے رہنے کا ہے اس دن میں تمہارے پاس تشریف رکھیں) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: بہتر۔

اور انھوں نے ایک اوڑھنی زعفران کی رنگی ہوئی لے کر اس پر پانی چھڑکا تا کہ اس کی خوشبو مہک جاوے اور (اس کو اوڑھ کر) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر جا بیٹھیں۔ آپ نے فرمایا: اے عائشہ! الگ رہو، یہ تمہارا دن نہیں۔ انھوں نے عرض کیا: یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہیں عطا فرمائیں اور آپ کو سارے واقعہ کی خبر دی۔ آپ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے خوش ہو گئے۔ (ب)

فائدہ: ''درمختار'' میں ہے کہ متعدد بیبیوں میں شب باشی میں برابری واجب ہے حتی کہ اگر شب کو ایک کے پاس تو مغرب ہی کے بعد آجاوے اور دوسری کے پاس عشا کے بعد آوے تو اس نے عدل کو ترک کردیا۔ اور ''ردالمحتار'' میں ''فتح'' سے منقول ہے کہ مستحب یہ ہے کہ سب بیبیوں میں برابری رکھے جمیع استمتاعات میں، جیسے: وطی اور تقبیل، انتھی.

یہ دونوں مسئلے کہیں نصوص میں منقول نہیں دیکھے۔ پس اگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی معمول تھا تو آپ کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو الگ رہنے کے لیے فرمانا یا تو اس بنا پر ہوگا کہ جس طرح وہ شب تھی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی، اسی طرح وہ وقت بھی معمول کے موافق حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا ہوگا۔ اور اگر وہ وقت حضور کا تھا تو گو آپ کو اس کی گنجایش تھی مگر آپ نے غایت احتیاط پر عمل فرمایا۔ اور اگر آپ پر عدل واجب ہی نہ ہو جیسا بعض علما کا قول ہے تو ہر حال میں یہ عمل احتیاط ہی پر مبنی ہے۔ اور احتیاط کی صورتوں میں یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا کمال عدل ہے کہ ایسی محبوبہ بی بی کی جائز رعایت بھی نہیں کی، خاص کر ایسے وقت میں کہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا دیکھ بھی نہیں رہیں۔ حدیث نمبر ۷۰ بھی ملاحظہ کرلی جاوے۔

حدیث ۶۲: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے (یعنی بیبیوں کے) ان کپڑوں میں نماز نہ پڑھتے تھے جو بدن سے ملے رہتے تھے۔ (ج)

فائدہ: غالبًا مراد اس سے ازار یعنی تہمد ہے اور یہ محض احتیاط ہے کہ شاید ایسے کپڑے کو کوئی رطوبت غیر طاہرہ لگ گئی ہو اور ایسا احتمال عورت کے لیے محلِ احتیاط نہیں، کیوں کہ اس کے لیے یہ احتیاط متعذر رہے، کیوں کہ اس کا تو وہ لباس ہی ہے اور مرد کو اس احتیاط میں کوئی دشواری نہیں اور یہ احتراز ہے ایسی چادر سے جو کپڑوں کے اوپر رہتی ہو، اس سے حضور احتیاط نہیں فرماتے تھے، کیوں کہ اس میں ایسا احتمال نہیں۔ اگر آپ کے پاس بیبیاں نہ ہوتیں تو آپ سے ایسا معمول منقول ہی نہیں ہوسکتا تھا۔

حدیث ۶۳: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک ہدیہ آیا جس میں یمانی منکوں کا ایک ہار تھا۔ آپ نے فرمایا: میں یہ ہار اس کو دوں گا جو میرے تمام گھر والوں میں مجھ کو زیادہ محبوب ہو۔ عورتیں کہنے لگیں: بس اس کو ابو قحافہ کی بیٹی (یعنی پوتی مراد

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں) لے اُڑی۔ (یعنی ان کو ملے گا کیوں کہ ان کا محبوب ترین ہونا مشہور ومعروف تھا) پھر آپ نے حضرت امامہ بنت زینب کو (جو آپ کی نواسی تھیں) بلایا اور اس کو ان کے گلے میں لٹکا دیا۔ (ب)

فائدہ: اس سے آپ کا معاملہ ازواج کے ساتھ بھی معلوم ہوا جس کو دیکھ کر عورتوں کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے محبوب ترین ہونے کا گمان ہوا اور محبوب ترین ہونے سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بیبیوں کے درمیان محبّت میں عدل واجب نہیں۔ پھر جو آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو نہیں دیا، یا تو اس لیے کہ اس صورت میں عدل فی المعاملات نہ ہوتا گو اکثر علما کے قول پر آپ کے ذمہ واجب نہیں تھا مگر آپ کا عمل اس پر مثل واجب ہی کے تھا اور یا اس لیے کہ وہ ہار بچیوں کے مناسب تھا اور بچوں میں سب سے زیادہ محبوب حضرت امامہ تھیں۔ یہ سب فوائد اس حدیث سے ثابت ہوئے۔

حدیث ۶۴: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حالتِ جنابت میں سونے کا ارادہ فرماتے تو (سونے سے پہلے) نماز کا سا وضو فرما لیتے اور جب (اسی حالت میں) کھانے پینے کا ارادہ فرماتے تو اپنے دونوں ہاتھ دھو لیتے، پھر اگر چاہتے تو کھا لیتے پی لیتے۔ (ج)

فائدہ: ظاہر ہے کہ جنابت کی حالت کا علم جیسا بی بی کو ہوسکتا ہے دوسروں کو نہیں ہوسکتا، پھر اس کے متعلق جو سنت فعلی ہو وہ بھی اسی طرح دوسروں کے ذریعہ سے معلوم نہیں ہوسکتی اور یہ سنت وضو سونے کے قبل مستحب ہے، موکد نہیں۔ چناں چہ ''مشکاۃ'' میں ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آپ جنبی ہوتے تھے پھر سو رہتے تھے، پھر جاگ جاتے پھر سو رہتے۔ (رواہ احمد)

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اپنی اہل (یعنی بی بی) کی طرف (نفسانی) حاجت ہوتی تو ان سے مشغول ہوتے، پھر دوبارہ مشغول ہوتے اور (درمیان میں) پانی کو چھوتے بھی نہ تھے۔ (رواہ احمد) اور ابوداود وترمذی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حالتِ جنابت میں سو رہتے اور پانی کو چھوتے بھی نہ تھے۔ (نیل الاوطار)

حدیث ۶۵: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ مجھ کو تہمت لگائی گئی جو لگائی گئی اور میں بالکل بے خبر تھی، پھر بعد میں مجھ کو قدرے قلیل خبر پہنچی (جس سے سخت صدمہ زدہ ہوئی) سو اس

حالت میں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس (تشریف رکھتے) تھے اچانک آپ پر وحی نازل کی گئی اور جب آپ پر وحی نازل ہوتی تھی تو آپ پر ایک حالت ہلکی نیند کے مشابہ طاری ہوجاتی تھی، سو اس حالت میں کہ آپ میرے پاس بیٹھے تھے اچانک آپ پر وحی نازل ہوئی، پھر (بعد ختم وحی کے) آپ نے اپنا سر اٹھایا اور آپ اپنی پیشانی مبارک پونچھ رہے تھے (کیوں کہ وحی کے وقت آپ کو پسینہ آجاتا تھا) پھر فرمایا: ''خوش ہوا ے عائشہ! کہ تمہاری براءت میں آیتیں نازل ہوگئیں''، میں نے کہا: خدا تعالیٰ کی حمد کے ساتھ (مشغول ہوتی ہوں) نہ کہ آپ کی حمد کے ساتھ (یعنی حق تعالیٰ کا شکریہ ادا کرتی ہوں، آپ کا شکریہ ادا نہیں کرتی، کیوں کہ آپ تو خود تحقیق ہی فرما رہے تھے، یہ تو خدا تعالیٰ ہی کا انعام ہوا کہ تحقیق ہی کی ضرورت نہ رکھی۔ سو اس حالت میں آپ کا کیا احسان ہوا؟ یہ تو خدا تعالیٰ کا احسان ہوا) پھر آپ نے یہ آیتیں پڑھیں (جو اس وقت نازل ہوئیں تھیں): ﴿وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ﴾ سے ﴿اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ﴾ تک۔ (ب)

فائدہ: اس سے ایک مہم مسئلہ معاشرت کے متعلق ثابت ہوا کہ اپنی بی بی سے ان حقوق کا انتظار نہ کرے جن کا دوسروں سے انتظار یا مطالبہ کرسکتا ہے۔ دیکھیے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ناز سے جو بات کہہ دی دوسرا شخص اگر حضرت نبویہ میں ایسی بات کہے سخت گستاخی ہے، جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم شارع ہونے کی حیثیت سے کبھی جائز نہ رکھیں، بلکہ سخت نکیر فرماویں، کیوں کہ یہ نکیر تبلیغ ہے جو آپ کا منصب ہے۔ مگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے اس کو جائز رکھا گیا، کیوں کہ ہر ایک کا ادب جدا ہے۔

اس سے بعض بد دماغوں کی اس عادت کی مذمت ظاہر معلوم ہوتی ہے کہ اپنے بیوی بچوں سے بھی اپنی ویسی ہی تعظیم وادب کراتے ہیں جیسے غیر لوگ کرتے ہیں، سو یہ سراسر کبر ہے۔ اور بخاری نے آیت: ﴿وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِيُّ اِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ﴾ کی تفسیر میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث طویل روایت کی ہے جس میں حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا کبھی کبھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایسے ہی ناز کے معاملات کا ذکر کیا ہے جن کو اگر دوسرا اختیار کرے تو اس کے ایمان کی بھی خیر نہ رہے، مگر ان معاملات کا معصیت ہونا بھی وارد نہیں، بخاری کی اس روایت سے یہ شبہ بھی رفع ہوگیا کہ شاید حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی محبوبیت اس تسامح

کا سبب ہوا ہو، اور ظاہر ہے کہ اس شبہ کا ارتفاع تعددِ ازواج ہی کی صورت میں ہوسکتا ہے۔

حدیث ٦٦: حضرت ام بکر بنت المسور سے روایت ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اپنی ایک زمین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ چالیس ہزار دینار کو فروخت کی، پھر اس کو (یعنی اس رقم کو) فقرائے بنی زہرہ میں اور مہاجرین میں تقسیم کردیا۔ حضرت مسور کہتے ہیں کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ان کا حصہ لایا انھوں نے فرمایا کہ یہ کس نے بھیجا ہے؟ میں نے کہا: حضرت عبدالرحمٰن (بن عوف) نے (بھیجا ہے) انھوں نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ ''تم پر (یعنی حضرات ازواجِ مطہرات پر) بہ جز نباہنے والوں کے کوئی شخص مہربان نہ ہوگا''۔ (یعنی وہی شخص خدمت کرے گا جو مستقل طبیعت، وضع دار ہے، کیوں کہ ایسے لوگ بہت کم ہیں جو اپنے بزرگوں کے غیبت یا وفات کے بعد ان کے متعلقین کے حقوق کے ادا کا التزام کریں۔ آگے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ) اللہ تعالیٰ حضرت عبدالرحمٰن کو جنّت کی سلسبیل سے سیراب فرماوے (کہ ان کو ہمارا اتنا خیال ہے۔) (ب)

فائدہ: یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن معاشرت مع الازواج سے ہے کہ آپ کو اپنے بعد اس کا بہت خیال تھا کہ حضرات ازواج مطہرات کو خرچ کی تکلیف نہ ہو، کیوں کہ انھوں نے اتنا ایثار کیا کہ جب باذن الٰہی آپ نے ان کو فقر و فاقہ کے ساتھ خدمت میں رہنے یا طلاق لے لینے کا اختیار دیا تو انھوں نے فقر و فاقہ کو اختیار کیا اور آپ سے علیحدگی گوارا نہیں کی۔ پھر آپ نے نہ کوئی میراث چھوڑی، نہ اپنی حیات میں ان کو کوئی سرمایا عطا فرمایا، اور نہ ان کو اور کسی سے نکاح جائز تھا، غرض معاش کی سبیلیں سب بند تھیں، ادھر خدام کو خدمت کرنے کے لیے آپ کو دکھلا کر خوشنود کرنا داعی نہ تھا، ایسی حالت میں ان حضرات کی خدمت کرنا بڑی ہمت والوں کا یا عشاق کا کام تھا، کیوں کہ عاشق کی نظر میں محبوب کی ہر مُلابِس چیز کی عظمت اور قدر ہوتی ہے۔ تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ارشاد میں یہ ظاہر فرمادیا کہ بی بی کا کتنا بڑا حق ہے کہ زندگی سے متجاوز ہو کر بعد وفات بھی ان کی راحت کا اہتمام مطلوب و محمود ہے اور کثرتِ ازواج میں اس اہتمام میں اور اضافہ ہوگا، اور اسی طرح خدمت گزاری کی فضیلت میں اضافہ ہوگا جس کو صحابہ رضی اللہ عنہم دل و جان سے اپنی سعادت سمجھ کر بجالائے۔ یہ مجموعی مصالح عدم تزوج یا عدم تعدد

میں کہاں متحقق ہوتے اور یہی مضمون مع الزوائد فوائد کے نمبر ۷۹ میں آوے گا۔

حدیث ۶۷: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوئے اور میرے پاس آپ کے چھ دینار تھے (ایک روایت میں ہے کہ سات تھے) آپ نے مجھ کو حکم دیا کہ "ان کو (امورِ خیر میں) صرف کردوں"۔ میں آپ کے مرض میں مشغول ہوگئی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو صحت دے دی، وہ فرماتی ہیں کہ پھر آپ نے ان کے متعلق مجھ سے پوچھا کہ "وہ چھ دینار (یا سات دینار) کیا ہوئے"۔ میں نے عرض کیا کہ واللہ! میں آپ کی بیماری میں مشغول ہوگئی۔ آپ نے ان کو منگایا، پھر ان کو آپ نے کف مبارک میں برابر برابر کر کے رکھا اور فرمایا کہ "اللہ کے نبی کو کیا خیال کیا جاوے گا اگر وہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کریں کہ یہ دینار ان کے پاس ہوں"۔ (ج)

فائدہ: ایسے مخفی حالات پر جیسی اطلاع بی بی کو ہوسکتی ہے دوسرے کو نہیں ہوسکتی۔ نیز بی بی سے اپنے خاص جذبات کا پردہ نہیں کیا جاتا، دوسرے شخص کے ساتھ فی نفسہٖ مصلحت کے معاملہ کا احتمال ہوسکتا ہے گو نبی ہونے کے اعتبار سے اس کا احتمال نہ ہو۔ پس اس حالت میں اس واقعہ کی دلالت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بے تعلقی دنیا پر نہایت اصرح واوضح ہے، خصوص حالت مرض میں کہ فی الحال تدبیرات دوائیہ کی حاجت کی حالت ہے اور فی المآل اپنے اہل وعیال کی حاجت کے رعایت کو مقتضی ہے، خصوص ایسی حالت میں کہ عیال بھی کثیر ہو اور ان کے پاس کوئی ظاہری ذریعہ معاش کا بھی نہ ہو۔ تو بی بی کے ہونے سے آپ کی اتنی بڑی شان کا پتہ لگا۔

حدیث ۶۸: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (بیبیوں کی ایک بے محل درخواست پر) قسم کھالی کہ اپنی بیبیوں کے پاس ایک مہینہ تک نہ جائیں گے۔ جب مہینہ کے انتیس دن گزرے (بیبیوں کے پاس) جانے کے لیے تشریف لائے، میں نے عرض کیا: کیا آپ نے ایک مہینہ کی قسم نہ کھائی تھی (اور ابھی اس میں ایک دن باقی ہے) آپ نے فرمایا "یہ مہینہ انتیس کا ہوا ہے"۔ (ب)

فائدہ: وہ بے محل درخواست زیادہ خرچ مانگنے کی تھی جس میں وہ اس لیے کچھ معذور تھیں کہ اگر آپ

چاہیں تو اللہ تعالیٰ اس کا سامان فرما دیں، مگر چوں کہ یہ آپ کے مذاق کے خلاف تھا، اس لیے آپ نے ناخوش ہو کر تادیب کے لیے یہ قسم کھالی، اور اتفاق سے آپ کے پاؤں میں موچ بھی آگئی تھی، اس لیے آپ بالاخانہ پر خلوت میں مقیم ہو گئے، پھر آیت تخییر کی نازل ہوئی اور سب نے آیت سن کر فقر و فاقہ ہی کو اختیار کر لیا۔ کتب تفسیر و حدیث میں یہ سب روایات مذکور ہیں۔

اور اس حدیث سے چند مسائل ثابت ہوئے: ایک یہ کہ باوجود بی بی سے محبّت و بے تکلفی ہونے کے نامناسب امر پر تادیب کرنا چاہیے۔ دوسرے یہ کہ تادیب میں اعتدال چاہیے، چناں چہ آپ نے ایلامِ جسمانی سے کام نہیں لیا۔ اور اس علیحدگی سے یہ لازم نہیں آتا کہ اگر کوئی بی بی سلام و کلام کرتی تو آپ جواب نہ دیتے، اور اگر ایسا بھی ہو تب بھی تادیب و اصلاحِ دین کے لیے جائز ہے۔ تیسرے یہ کہ ان بیبیوں کی فضیلت ثابت ہوئی کہ ان سے آیتِ تخییر میں وعدہ تھا کہ اگر تم دنیا چاہو تو تم کو دنیا مل جاوے گی، مگر حضور ﷺ کی خدمت میں نہیں رہنے پاؤ گی، پھر بھی انھوں نے حضور ﷺ کی خدمت سے علیحدگی کو گوارا نہیں کیا اور فقر و فاقہ کو گوارا کیا۔ معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کے گھرانے میں اصل مطمحِ نظر سب کو دین ہی تھا۔

حدیث ۶۹: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ دوشنبہ، پنج شنبہ کے روزہ کا اہتمام فرماتے تھے۔ (ج)

فائدہ: اکثر ایسے حالات بیبیوں کو بلا تکلّف معلوم ہوتے ہیں۔ ورنہ بلا ضرورتِ شدیدہ ایسی عبادات کا نہ آپ اظہار فرماتے، نہ صحابہ کی ہمت دریافت کرنے کی ہوتی، کیوں کہ آپ کے بعض افعال آپ کے ساتھ مخصوص ہیں، اس لیے افعال کی تحقیق بعض اوقات حضور ﷺ کو ناگوار بھی ہوتی تھی۔ چناں چہ ایک بار ایک شخص نے آپ سے پوچھا: آپ کس طرح روزہ رکھتے ہیں؟ آپ کو غصّہ آیا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مختلف صورتیں پیش کر کے ان کا حکم پوچھا الحدیث۔ (كذا في جمع الفوائد عن مسلم وأبي داود والنسائي)

حدیث ۷۰: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ کوئی دن ایسا نہ ہوتا تھا کہ رسول اللہ ﷺ ہم سب بیبیوں کے پاس ایک ایک کر کے تشریف نہ لاتے ہوں، پس پاس بیٹھتے تھے اور ہاتھ

بھی لگاتے تھے، مگر ہم بستری نہ فرماتے یہاں تک کہ جس بی بی کا دن ہوتا اس کے پاس تشریف لے جاتے اور شب گزارتے۔ (ب)

فائدہ: جو وقت کسی خاص بی بی کا نہ ہو اس میں ایسے استمتاعات جائز ہیں، مگر صحبت نہ کرے، جیسا اس حدیث میں حضور کا یہی معمول مذکور ہے۔ ''درمختار'' باب القسم میں ہے کہ ایک کی باری میں دوسرے سے ہم بستری نہ کرے، اور ''ردالمحتار'' میں طحطاوی سے نقل کیا ہے کہ اگرچہ دن ہی میں ہو (جو کہ کسی کا بھی وقت نہیں)۔

حدیث ۷۱: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب آپ پر نیند کا غلبہ ہوتا (اور وقت پر آنکھ نہ کھلتی) یا مرض کا غلبہ ہوتا (اور اٹھنے کی قدرت نہ ہوتی) اور (عذر مذکور کے سبب) شب کو نماز نہ پڑھتے تو دن میں بارہ رکعت پڑھ لیتے تھے۔ (ج)

فائدہ: ایسے حالات کی اطلاع جس بے تکلفی سے بی بی کو ہوسکتی تھی عادۃً دوسرے خادم کو نہیں ہوسکتی، کیوں کہ خدام کو اکابر سے اتنا قرب عادت کے خلاف ہے۔ اور یہ ایک واضح دلیل ہے صدق وحقانیت کی، کہ ایسے حالات کو بھی جو بادی النظر میں درجہ کمال سے متنزل ہیں، مخفی نہیں رکھا گیا، اور ظاہر ہونے سے خاص احکام کی تحقیق ہوگئی۔ چناں چہ اس سے جو حکم ثابت ہوا وہ ظاہر ہے کہ شب کے ناغہ کا بدل دن کو مطلوب ہے۔ اور ظاہراً اس سے تہجّد کی بارہ رکعت ثابت ہوتی ہیں، چناں چہ بعض علما کا قول یہی ہے۔ اور اگر یہ دیکھا جاوے کہ کسی روایت میں بارہ رکعت تہجّد صریح منقول نہیں تو دو رکعت کو تحیۃ الوضوء پر محمول کرلیا جاوے گا۔ اور اسی طرح ''صحیح بخاری'' میں جو چھ بار رکعتین رکعتین کے بعد ثم أوتر آیا ہے وہ بھی تہجّد کے اس عدد میں صریح نہیں اس میں دو احتمال ہیں: ایک احتمالِ مذکور، دوسرے اخیر کے شفعہ میں جزوِ وتر ہونے کا احتمال۔

حدیث ۷۲: بنی سواء کے ایک شخص روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کی نسبت پوچھا، انھوں نے کہا: کیا تم قرآن (میں) نہیں پڑھتے: ﴿اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ﴾ (یعنی قرآن شاہد ہے کہ آپ کے اخلاق اعلیٰ درجہ کے تھے، آپ کے اخلاق کا نقشہ یہی کافی ہے)۔

روای کہتے ہیں کہ میں نے کہا: اس کے متعلق مجھ سے کچھ بیان کیجیے (یعنی کوئی خاص واقعہ جس سے آیت کی کچھ تفسیر بطورِ نمونہ کے ہوجاوے) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: میں نے آپ کے لیے کچھ کھانا تیار کیا اور کچھ کھانا آپ کے لیے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے تیار کیا، میں نے اپنی لونڈی سے کہا کہ جا (دیکھتی رہ) اگر حضرت حفصہ کھانا لاویں اور (میرے کھانے سے) پہلے (دسترخوان پر) رکھ دیں تو کھانا گرا دیجیو (چناں چہ) وہ کھانا لائیں اور لونڈی نے اس کو گرا دیا، رکابی بھی گر گئی اور ٹوٹ گئی، اور (جس میں کھانا گرا) وہ دسترخوان چمڑے کا تھا (اس لیے ضائع نہیں ہوا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس (کھانے) کو جمع کیا اور (حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے) فرمایا: (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے) بدلہ لو، یعنی اپنے برتن کے بدلے برتن لو۔ (ب)

فائدہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ فعل غیرت ورشک سے تھا، کہ میری باری کے دن میں خدمت کرنے کا اصل حق مجھ کو تھا، اس میں یہ کیوں شریک ہوئیں، خصوص اگر اتفاق سے ان کا کھانا زیادہ مرغوب ہوا اور آپ نے وہی تناول فرمایا تو میری محنت ہی ضائع گئی۔ اور گو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا یہ فعل غیر مشروع نہ تھا، مگر خاص تعلّقات کے موقع پر ان دقائق کی رعایت بھی اولی ہے، کہ ہماری کسی خدمت کے سبب دوسرے کی خدمت کی بے قدری نہ ہو، مگر حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا ذہن غایتِ محبّت وشوقِ خدمتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے سبب اس طرف منتقل نہیں ہوا، اس بنا پر کسی پر بھی ملامت نہیں۔

باقی کھانا گرا دینے کی تجویز کرنا، سو اس کی جو صورت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے تجویز کی تھی اس میں کھانا ضائع نہیں ہوسکتا، بلکہ برتن سے چمڑے کے دسترخوان پر رکھا گیا، البتہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو اپنی ناگواری دکھلانا تھی، سو وہ اس صورت میں ظاہر ہوگئی۔ رہا برتن کا ٹوٹ جانا، سو یہ لونڈی کی بے احتیاطی تھی کہ دسترخوان پر رکھنے سے پہلے ہی جب برتن اونچا تھا ہاتھ مار دیا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے تو صاف فرما دیا تھا کہ جب رکھ دیں تو گرا دیجیو سو اس کا الزام اگر کوئی تاویل نہ کی جاوے تو لونڈی پر ہوسکتا ہے، اور اس کی طرف سے یہ تاویل ہوسکتی ہے کہ وہ اس نقصان کو ایسی بلند نظر جماعت کی نظر میں نقصان نہیں سمجھی، یا اس کا گمان نہ ہوگا

کہ برتن ٹوٹ جائے گا، خصوص اگر برتن اور کھانا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ملک ہو تو یہ سب تصرفات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ملک میں تھے جس میں سب کو عفو اور عدم مواخذہ متیقن تھا۔ رہا بدلہ دلوانا، یہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی دل جوئی کے لیے تھا، تاکہ وہ یہ نہ سمجھیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے فعل کو گوارا کرلیا۔

اور اس صورت میں یہ اشکال بھی واقع نہیں ہوتا کہ ذوات القیم میں ظرف دلوانا کیسے کافی ہوگیا، اور اگر وہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی ملک تھا تو صاحب حق اگر اس عوض پر راضی ہو جائے تو جائز ہے۔ رہا اس معمولی قصہ سے آپ کے خلق عظیم پر استدلال، وہ اس طرح سے ہے کہ ایسے معمولی خفیف معاملات میں ایسی دقیق رعایتیں کرنا یہ غایت درجہ کی شفقت وعلوِ نظر وتواضع کی دلیل ہے، ورنہ رفیع المقام لوگ ایسے واقعات کو سننا بھی گوارا نہیں کرتے، چہ جائے توجہ تام۔

حدیث ۴۳: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جنابت کا غسل فرماتے، پھر مسجد میں اس حالت میں تشریف لاتے کہ آپ کے سر مبارک سے قطرے ٹپکتے ہوتے اور آپ اس دن کے روزہ کا بھی ارادہ رکھتے۔ (ج)

فائدہ: دوسری روایات سے آپ کی عادت شریف مسجد میں تشریف لانے کے متعلق معلوم ہے کہ نماز کے وقت تشریف لاتے تھے۔ اور قطرے ٹپکنا دلیل ہے بالکل تازہ غسل کی، تو اس طرح سے یہ غسل صبح صادق کے بعد ہوا، اور ظاہراً جنابت کا سبب ہم بستری ہے، تو اس سے ہم بستری کے بعد صبح صادق کے قبل غسل نہ کرنے کا جواز اور اس سے روزہ میں خلل نہ آنا ثابت ہوا۔ اور یہ جزئی بی کے دوسرا شخص عادۃً جنابتِ اختیاریہ کا جزم کے ساتھ حکم نہیں کرسکتا۔

حدیث ۴۴: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنگل کو صدقہ کے اونٹوں کی طرف تشریف لے گئے، پھر اپنی سب بیبیوں کو ایک ایک اونٹ عطا فرمایا بہ جز میرے۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے سب بیبیوں کو ایک ایک اونٹ عطا فرمایا بہ جز میرے۔ سو آپ نے ایک اونٹ مجھ کو بھی دیا جو شوخ اور سخت تھا جس پر سواری بھی نہیں کی گئی تھی اور فرمایا: ''اے عائشہ (رضی اللہ عنہا) اس کے ساتھ نرمی کرنا، کیوں کہ نرمی جس چیز

سے مقارن ہوتی ہے اس کو زینت دے دیتی ہے (تو انسان اگر نرمی کرے اس کی زینت بڑھ جاتی ہے) اور جس چیز سے مفارق ہوتی ہے اس کو بدزیب کر دیتی ہے"۔ (ب)

فائدہ: جو اونٹ بیبیوں کو عطا فرمائے اگر یہ صدقہ کے تھے تو ان کے عطا کرنے میں کسی کے لیے بھی ازواج میں مساوات ضروری نہیں۔ رہا یہ کہ صدقہ ازواج مطہرات کے لیے جائز تھا یا نہیں؟ سو صدقۂ نافلہ میں تو جواز متفق علیہ ہے، تو یہ صدقہ اگر نافلہ تھا تو کچھ اشکال ہی نہیں، اور زکاۃ میں جمہور کا مذہب بھی جواز ہے (كما نقل الشامي عن ابن بطال اتفاق الفقهاء عليه) اس پر بھی کچھ اشکال نہیں، اور بعض علما نے عدمِ جواز کا حکم کیا ہے (نقله الشامي عن المغني عن عائشة رضي الله عنها قولها: إِنَّا آلُ مُحَمَّدٍ لَا تَحِلُّ لَنَا الصَّدَقَةُ. قَالَ: فَهَذَا يَدُلُّ عَلَى تَحْرِيمِهَا عَلَيْهِنَّ انتهى. ثم أمر بالتأمل، وجه التأمل احتمال الرواية للتاويل) اس قول پر کہا جا سکتا ہے کہ ان اونٹوں میں غیر زکاۃ کے بھی مخلوط ہوں گے۔ اور اگر وہ عطا کئے ہوئے اونٹ آپ کی ملک تھے تو یا تو مساوات آپ پر واجب نہ تھی جیسا بعض علما کا قول ہے، یا آپ کا ارادہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بھی دینے کا تھا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اطلاع نہ تھی۔ اور ہر حال میں اس واقعہ سے ایک اور لطیف مسئلہ مستنبط ہوا کہ باوجود یہ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ آپ کو سب ازواج سے زیادہ محبّت تھی، مگر معاملات میں ان کو مقدم نہ رکھتے تھے، بلکہ بعض اوقات ان کو مؤخر فرما دیتے تھے جیسا اس واقعہ میں ہوا، اور یہ بھی احتمال ہے کہ ان کو پہلے سے بالکل ہی دینے کا ارادہ نہ ہو جیسے بعض صورتوں میں یہ جائز بھی تھا، تو تاخیر سے بڑھ کر ان کے لیے حرمان گوارا فرمایا، اس سے آپ کا محبّت میں مغلوب نہ ہونا صاف واضح ہوتا ہے، اس سے متعدد بیبیوں والوں کو سبق لینا چاہیے۔

حدیث ۵۷: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب (سفر میں) تشریف لے جاتے (اور کسی بی بی کو بھی ہمراہ لے جانا چاہتے) تو (ان بی بی کی تعیین کے لیے) بیبیوں میں قرعہ ڈالتے تھے (جن کا نام نکل آتا ان کو ساتھ لے جاتے)۔ (ب)

فائدہ: اس حدیث سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی غایت دل جوئی اور رعایت بیبیوں کی ظاہر ہے،

کیوں کہ سفر میں عدل واجب نہیں، اس لیے زوجاتِ متعددہ میں سے جس کو دل چاہے ہمراہ لے جانا جائز ہے، اور یہ حکم اپنے محل میں دلیل سے سب کے لیے ثابت ہو چکا ہے، پھر باوجود اس کے ان کی دل شکنی کے رفع کرنے کے لیے قرعہ کی صورت اختیار کرنا یہ نہایت درجہ کی شفقت ہے۔

اور قرعہ کا حکم یہ ہے کہ جس جگہ بدون قرعہ کے تعیین حق کی جائز ہو وہاں قرعہ جائز ہے، جیسے حاکم یا حَکَم دو شخصوں میں مکان مشترک تقسیم کرے تو اس کو بدون قرعہ کے بھی حق حاصل ہے کہ ایک کو ایک طرف سے دے دے، دوسرے کو دوسری طرف سے، مگر رفع شبہ کے لیے قرعہ مستحب ہے، اور جس جگہ بدون قرعہ کے تعیین جائز نہ ہو وہاں قرعہ سے بھی جائز نہیں، جیسے ایک مکان میں دو شخصوں کا نزاع ہو اور ہر شخص اپنے مالک ہونے کا مدعی ہو یہاں قرعہ سے مالک کی تعیین جائز نہیں، بلکہ قانونِ شرعی سے فیصلہ کرنا واجب ہے۔

حدیث ۷۶: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک شب میں ان کے پاس سے باہر تشریف لے گئے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ مجھ کو آپ پر رشک ہوا (اس گمان سے کہ شاید کسی بی بی کے پاس تشریف لے گئے ہوں) حالاں کہ یہ گمان نہ صحیح تھا، نہ آپ کے معمول ملتزم کے اعتبار سے صحیح ہوسکتا تھا، گو عدل بھی آپ پر واجب نہ ہو، اور عقلاً حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی ایسا گمان نہیں کر سکتی تھیں، مگر طبعاً معذور تھیں، اسی واسطے اس کو غیرت سے تعبیر کیا جو امر طبعی ہے۔ کسی نے خوب کہا ہے:

با سایہ ترا نمے پسندم عشق ست وہزار بدگمانی

پھر آپ تشریف لے آئے اور میں (اضطراب میں) جو کچھ کر رہی تھی (مثلاً اضطراب کی حرکات) اس کو دیکھا۔ آپ نے فرمایا: ''اے عائشہ! تم کو کیا ہوا؟ کیا تم کو رشک ہوا؟'' فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ کیا وجہ کہ مجھ جیسا (محبّ) آپ جیسے (محبوب) پر رشک نہ کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تجھ کو تیرے شیطان نے پکڑ لیا''۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا میرے ساتھ کوئی شیطان ہے؟ آپ نے فرمایا: ''ہاں اور (تمہاری کیا تخصیص ہے) ہر آدمی کے ساتھ (ایک شیطان) ہے''۔ میں نے عرض کیا اور آپ کے ساتھ

بھی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم؟ آپ نے فرمایا: ”ہاں لیکن میرے رب نے اس کے مقابلہ میں میری اعانت فرمائی، یہاں تک کہ میں اس سے سالم (یعنی محفوظ) رہتا ہوں“۔ یا (ایک روایت پر) یہ فرمایا کہ ”وہ اسلام لے آیا“۔ (ب)

فائدہ: آپ کی حسنِ معاشرت کا اندازہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس سوال ہی سے ہوسکتا ہے کہ آپ اپنے حقوقِ عظمت پر حقوقِ محبّت کو غالب رکھتے تھے، ورنہ اس سوال کی کیا مجال تھی۔ اور شیطان سے مراد یہاں خاص ابلیس نہیں، اس کی ذریت مراد ہے، اور اس کا مسلمان ہوجانا کسی طرح ممتنع نہیں۔

حدیث ۷۷: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر بی بی کے لیے اس کے دن کا اور رات کا حصّہ دیتے تھے، بہ جز اس کے کہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا بنت زمعہ نے اپنا دن اور اپنی رات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دے دی تھی، مقصود ان کا اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوش نودی تھی۔ (ب)

فائدہ: اپنی باری اپنی سوت کو دے دینا جائز ہے اور اس سے رجوع کر لینے کا حق بھی ہمیشہ حاصل ہے، اور اس سے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کا ایثار صاف ثابت ہوتا ہے کہ اپنا حق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دے دیا، گو زیادہ مقصود اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زیادہ خوش کرنا تھا۔ اور زیادہ اس لیے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو اس حالت میں بھی خوش تھے جب وہ باری لیتیں، اس سے سوتوں کو سبق لینا چاہیے کہ سوت کی رعایت کیا کریں اور شوہر کے زیادہ خوش رکھنے کا اہتمام رکھا کریں، حرص وحسد سے بچیں۔

حدیث ۷۸: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا ذکر فرماتے تو ان کی تعریف فرماتے اور بہت زیادہ تعریف فرماتے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ مجھ کو ایک روز (بہت) رشک ہوا اور میں نے کہا کہ آپ ایسی عورت کا کیا کثرت سے ذکر فرمایا کرتے ہیں جس کی باچھیں لال لال تھیں (یعنی دانت ٹوٹ جانے سے لال لال کھال نظر آنے لگتی ہے) خدا تعالیٰ نے اس کی جگہ اس سے اچھی دے دی (یعنی میں)۔ آپ

نے فرمایا کہ ''اس سے اچھی خدا تعالیٰ نے مجھ کو نہیں دی (یعنی تم اس سے اچھی نہیں ہو، کیوں کہ) وہ مجھ پر ایسے وقت میں ایمان لائی جب اور لوگوں نے میرے ساتھ کفر کیا، اور ایسے وقت میں میری تصدیق کی جب اور لوگوں نے میری تکذیب کی، اور اس نے میری مالی خدمت کی جب کہ اور لوگوں نے مجھ کو محروم رکھا (یعنی کسی نے میری ہمدردی نہیں کی، کیوں کہ دعوت نبوت کے بعد عام طور پر لوگوں کو بغض ہو گیا تھا) اور اللہ تعالیٰ نے مجھ کو اس سے اولاد بھی دی جب کہ دوسری بیبیوں سے مجھ کو اولاد نہیں دی''۔ (ب)

فائدہ: اس سے چند فوائد معلوم ہوئے: ایک یہ کہ بی بی کا ایک یہ بھی حق ہے کہ اس کے مرنے کے بعد بھی اس کے حقوق ادا کرے، جیسے آپ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی شکر گزاری فرمائی، اور جیسے آپ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سہیلیوں کو کھانے پینے کی چیزوں کا حصّہ بھیجا کرتے تھے جیسا اور روایات میں آیا ہے، اور من جملہ ان حقوق کے جو کہ قواعدِ عامہ سے ثابت ہیں، یہ بھی ہے کہ اس کو ثواب بخشا کرے۔

دوسرا فائدہ یہ کہ مصائب میں ساتھ دینا اور مالی خدمت کرنا اور صاحبِ اولاد ہونا یہ بھی من جملہ اسباب زیادتِ محبّت کے ہے، اس سے متاثر ہونا فطرت سلیمہ کا مقتضا ہے، البتہ معاملات معاشرت میں اس کو اسباب ترجیح میں سے نہ قرار دیا جاوے۔

تیسرا فائدہ یہ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میں مصالحِ عقلیہ جذباتِ طبعیہ پر غالب تھیں، اور یہی مصالح سبب ہوئے تھے کثرتِ ازدواج کا۔ چناں چہ اس واقعہ میں آپ کا تعلّق حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے تعلّق سے اقویٰ ہونا صاف ظاہر ہے، حالاں کہ جذبۂ طبعیہ کے اسباب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا میں زیادہ تھے۔

حدیث ۷۹: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (غایتِ شفقت و اہتمام کے سبب) مجھ پر جھک گئے اور یہ فرمایا کہ ''جتنی چیزیں میں اپنے پیچھے (یعنی بعد وفات) چھوڑ جاؤں گا ان سب میں زیادہ فکر کی چیز تم (بیبیاں) ہو (کہ تمہارے خرچ اور راحت کی کیا صورت ہوگی) واللہ تم پر وہی لوگ شفقت (اور فکر خدمت) کریں گے جو صابر (یعنی حقوق

کے نباہنے والے) یا یوں فرمایا کہ جو صادق (یعنی محبّت میں راسخ) ہوں گے''۔ (ب)

فائدہ: اس حدیث سے کس قدر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت بیبیوں پر معلوم ہوتی ہے کہ باوجود سید المتوکلین ہونے کے معاش کے ظاہری اسباب نہ ہونے کے سبب ان کا خیال ہوا، مگر غلبہ توکل ہی کو رہا کہ ان کے لیے کوئی ذخیرہ جمع نہیں فرمایا۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ظاہری اسباب پر نظر ہونا بشرطے کہ عوام کے لیے حدودِ شرع سے اور خواص کے لیے حدودِ کمال سے تجاوز نہ ہو، توکل کے خلاف نہیں، اور اگر عیال میں ایسا استقلال نہ ہو تو خواص کا حکم بھی عوام ہی کا سا ہے کہ عیال کو حدودِ کمال پر مجبور کرنا مناسب نہیں۔ اور آپ کے بعد کی دینی چیزیں اس سے بھی زیادہ اہم ہیں، مگر ایک اعتبار سے یہ زیادہ اہم ہیں، کیوں کہ دین کو سب اہم سمجھ کر اس کا اہتمام کریں گے، اور یہ چوں کہ جزوِ دین نہیں اس میں عدم اہتمام کا احتمال تھا۔

حدیث ۸۰: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں حیض کی حالت میں ہڈی چوستی تھی، پھر اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (مجھ سے) لے کر میرے منہ کی جگہ منہ رکھتے تھے (اور چوستے تھے) اور (اسی طرح) میں (کسی) برتن سے (پانی) پیتی تھی، پھر اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لے کر اسی میری منہ کی جگہ منہ رکھتے تھے (اور پیتے تھے) اور میں حالتِ حیض میں ہوتی تھی۔ (الف)

فائدہ: اس سے مسئلہ ثابت ہوا کہ حائضہ کا جھوٹا پاک ہے جس میں کسی قسم کی کراہت نہیں۔ کیا بی بی کے سوا اور کسی کو ایسے برتاؤ کا موقع مل سکتا جہاں بی بی کے ہونے سے اس حکم کا عملی ظہور ہوا؟

حدیث ۸۱: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ایک سفر میں تھے (اور بعضی بیبیاں بھی ساتھ تھیں) حضرت صفیّہ رضی اللہ عنہا کا اونٹ بیمار ہوگیا، اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے اونٹوں میں زائد اونٹ تھا، ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''صفیّہ کا اونٹ بیمار ہوگیا، اگر اپنے اونٹوں میں سے ایک اونٹ ان کو دے دو'' (تو مناسب ہے)۔ انھوں نے جواب دیا: (ہاں) میں دوں گی اس یہودیہ کو (کیوں کہ وہ پہلے یہودیہ تھیں)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ناخوش ہوکر) ان کے پاس آمد و رفت کو ذی الحجہ ومحرم دو مہینے یا (ایک مہینہ زائد یعنی) تین مہینہ تک ترک فرمادیا، وہ کہتی ہیں کہ میں آپ سے مایوس ہوگئی (یعنی آمد و رفت کی امید نہ رہی)

اور میں نے اپنی چارپائی بھی (اس کی جگہ سے) ہٹادی (کیوں کہ اس جگہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بچھا رکھی تھی) ایک روز دوپہر کے وقت گھر میں تھی اچانک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ دیکھا کہ ادھر کو آرہا ہے (پھر معلوم ہوا کہ حضور تشریف لے آئے اور راضی ہوگئے)۔ (ب)

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ ازواج مطہرات کے معاملات میں آپ سیاست سے بھی کام لیتے تھے اس معاملہ میں ایک کو ایک پر ترجیح نہ تھی، باوجود یہ کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا آپ کی پھوپی زاد بہن ہیں اور آیت: زَوَّجْنٰكَهَا کی مورد ہیں، مگر انصاف کے موقع پر آپ نے ان کی رعایت نہیں فرمائی۔

اور اس سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہوا کہ اصلاحِ دین کے لیے تین روز سے زیادہ بھی ترکِ تعلّق جائز ہے، اور ایک یہ معلوم ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ تھا، اور سایہ نہ ہونے کی جو حکایت مشہور ہے وہ بعض احوال کے اعتبار سے تھا جب آپ پر ابر سایہ افگن ہوتا تھا۔

حدیث ۸۲: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے (استعمال کے) لیے ایک اونی سیاہ چادرہ تجویز کیا۔ راوی نے اس کی سیاہی اور آپ کی سفیدی کا ذکر کیا (یعنی آپ کا رنگ گورا تھا اشارہ ہے خوش نمائی کی طرف، کیوں کہ سیاہ کپڑے میں گورا رنگ خوش نما معلوم ہوتا ہے) آپ نے اس کو پہنا، جب آپ کو پسینہ آیا اور اس کی بدبو آپ کو معلوم ہوئی تو آپ نے اس کو اتار دیا۔ اور آپ کو اچھی خوشبو پسند تھی۔ (ج)

فائدہ: اس سے آپ کا تنعم سے ایسا جدا رہنا کہ وہ چادرہ باوجود کم حیثیت ہونے کے کسی قدر ایذا دہ بھی تھا، ظاہر ہے۔ اور خلوتِ خاص میں اس کا استعمال بہ نسبت مجمع میں استعمال کے اس پر زیادہ دال ہے، کیوں کہ گھر والوں سے کوئی راز پوشیدہ نہیں رہ سکتا۔

حدیث ۸۳: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری طرف جھکے تاکہ میرا بوسہ لیں، میں نے عرض کیا: میرا روزہ ہے۔ آپ نے فرمایا: ''میرا بھی روزہ ہے'' پھر میرا بوسہ لیا۔ (الف)

فائدہ: اس سے مسئلہ ثابت ہوا کہ روزہ میں بوسہ لینا جائز ہے، خواہ ایک کا روزہ ہو یا دونوں کا۔

اور دوسری حدیثوں سے اس میں ایک قید بھی ہے کہ اندیشہ ہم بستری کا نہ ہو اور اظہارِ حکمِ شرعی کی ضرورت سے اپنے ایسے واقعہ کا بیان کر دینا یہ حیا کے خلاف نہیں، خاص کر جس حیا کا مدار عرف پر ہو۔ عرب کی سادگی کے اعتبار سے یہ خلاف حیا نہ تھا، اور ہر چند کہ آپ کا ارشاد بیانِ جواز کے لیے کافی تھا، مگر کراہت کا خلجان رفع کرنے کے لیے خود عمل سے زیادہ کوئی طریقہ مؤثر نہ تھا۔

حدیث ۸۴: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک عورت کی نقل کر دی (یعنی) اس کے پستہ قد ہونے کا (اشارہ سے) ذکر کیا (مثلاً ہاتھ سے بتایا ہوگا کہ ایسی ہے) پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم نے اس کی غیبت کی''۔ (ب)

فائدہ: معلوم ہوا کہ غیبت جیسے الفاظ سے ہوتی ہے اشارات سے بھی ہوتی ہے، یہ ظاہر ہے کہ یہ جز بی بی کی ایسی بے تکلفی کسی خادم کو نہیں ہو سکتی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے رو برو کسی کی ہیئت وغیرہ کی نقل اتارے، اس حکم کا ظہور بی بی ہی کے ذریعہ سے ہوا، یہ حکمت ہوئی بیبیوں کے ہونے میں۔ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ تبلیغ بھی اس سے ظاہر ہوئی کہ جن مواقع میں عادۃً طرح دے دی جاتی ہے آپ نے تنبیہ میں بی بی کی ذرا رعایت نہیں فرمائی۔

حدیث ۸۵: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ وہ ایک اونٹ پر سوار ہوئیں اور (اس کی کسی شوخی پر) اس پر لعنت کی (جیسے عورتوں کی عادت ہوتی ہے کہ کسی چیز سے دل تنگ ہو کر اس کو کوسنے لگتی ہیں) پس حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے (زجراً) فرمایا: ''اس پر سوار مت ہو'' (کیوں کہ ملعون سے دور ہی رہنا چاہیے)۔ (ب)

فائدہ: یہ زجر تھا بطورِ الزام کے، یعنی جب وہ ملعون یعنی رحمت سے بعید ہے تو اس کا مقتضا یہ ہے کہ اس سے قرب نہ ہونا چاہیے اور سواری میں قرب ہے، اور یہ زجر فعلی کہ سواری سے روک دیا جس سے ان کا ایک قسم کا حرج بھی ہوگا زجر قولی سے بدرجہا ابلغ ہے۔ اور اس سے بھی وہی فائدہ مستنبط ہوا جو حدیثِ سابق سے ہوا تھا، یعنی تنبیہ میں بی بی کی ذرا رعایت نہیں فرمائی اور اس خاص صفت کا ظہور ظاہر ہے کہ بیبیوں کے وجود ہی پر موقوف ہے۔

حدیث ۸۶: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میرا ایک کپڑا چوری ہو گیا، میں اس پر

(یعنی چوری کرنے والے پر) بددعا کرنے لگی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (بددعا کرکے) ''چور کے لیے (سزا میں) تخفیف مت کرو۔'' یعنی بددعا چوں کہ ایک قسم کا انتقام ہے، صاحبِ حق کے انتقام لینے میں پھر من جانب اللہ سزا ملنے میں کمی ہو جاتی ہے۔ اور اس کے یہ معنی نہیں کہ تکمیلِ سزا امرِ مطلوب ہے، بلکہ مندوب تو یہ ہے کہ بالکل ہی معاف کر دیا جاوے تو تخفیف اور تقلیل تو اس سے اہون ہے، بلکہ مقصود یہ ہے کہ بددعا کا منشا تو غایتِ بغض ہے اور اس کا اثر غایت بغض کے منافی ہے۔ آپ نے نہایت لطیف طریق سے بددعا سے روکا، اور فطرتِ سلیمہ کا مقتضا یہ ہے کہ جب کسی کے اضرارِ قولی کو گوارا نہیں کرے گا تو اس کے اضرارِ حالی کو کیسے گوارا کرے گا، نتیجہ یہ ہوگا کہ بالکل معاف کردے گا، البتہ جہاں کسی قدر انتقام لینے میں خود دوسرے ہی کی مصلحت ہو وہاں عفو پر انتقام کو ترجیح ہوگی، مثلاً تادیب واصلاح کے لیے زجر وعقوبت کرنا یا اس انتقام سے زیادہ اشد کسی ضررِ محتمل کے دفع کے لیے انتقام لے لینا جیسے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض وفات میں اپنے گھر والوں کے لیے لدود تجویز فرمایا جنھوں نے باوجود اظہار ناگواری کے آپ کو محض محبّت وخیر خواہی سے دوا پلائی تھی، جس میں حکمت یہ تھی کہ اگر آپ ایسا نہ کرتے تو احتمال تھا کہ من جانب اللہ کسی بلا میں گو وہ دنیاوی ہی ہو مبتلا نہ ہو جاویں، اور اس سے بھی وہی فائدہ ثابت ہوا کہ آپ اپنے ازواج پر بھی پورا احتساب فرماتے تھے۔

حدیث ۸۷: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیبیوں کے درمیان باری مقرر فرماتے تھے اور اس میں برابری فرماتے، اور یہ فرماتے کہ ''یہ میری تقسیم ہے'' پھر دعا کرتے کہ ''اے اللہ! یہ میرا فعل ہے اس امر میں جو میرے اختیار میں ہے، سو مجھ کو اس امر میں ملامت نہ کیجیے جو آپ کے اختیار میں ہے اور میرے اختیار میں نہیں''۔ (ب)

فائدہ: امر اختیاری سے مراد معاملات ومعاشرات ہیں، اور غیر اختیاری سے مراد محبّت ومیلان ہے، اس میں آپ نے یہ بتلا دیا کہ محبّت میں برابری ضروری نہیں اور اس کی بنا بھی بتلا دی کہ اس کا غیر اختیاری ہونا ہے، اور باوجود یہ کہ قاعدہ شرعیہ وعقلیہ سے غیر اختیاری پر مواخذہ نہیں، مگر پھر اس کی دعا کرنا اس طرف اشارہ ہے کہ بعض اوقات اختیاری ہونا خفی ہوتا ہے جو سرسری

نظر سے سمجھ میں نہیں آتا، اس لیے اس میں غلطی ہو جاتی ہے۔

حدیث ۸۸: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سوتی رہتی تھی اور میرے پاؤں آپ کے قبلہ کے رخ ہوتے تھے، جب آپ سجدہ میں جاتے مجھ کو (یعنی میرے پاؤں کو ہاتھ سے) دبا دیتے، میں اپنا پاؤں سمیٹ لیتی، اور جب آپ کھڑے ہوتے میں پھر پھیلا لیتی، اور اس زمانہ میں گھروں میں چراغ نہ تھے (یعنی ان کا رواج نہ تھا)۔ (ب)

فائدہ: اس سے آپ کی حسن معاشرت ظاہر ہے کہ ایسے امور کو گوارا فرماتے تھے، آج کل کے متکبّر دنیاداروں یا متقشّف دین داروں کی حالت افسوس کے قابل ہے کہ اپنے گھر والوں سے بھی ادب و تعظیم چاہتے ہیں۔

حدیث ۸۹: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی برابر کوئی اچھا کھانا پکانے والی نہیں دیکھی، انھوں نے ایک برتن میں کھانا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھیجا، مجھ کو (مارے رشک کے) اپنے اوپر قابو نہ رہا، میں نے وہ برتن توڑ دیا، پھر (پچھتائی اور) میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا کفارہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ''برتن جیسا برتن اور کھانا جیسا کھانا''۔ (ب)

فائدہ: بنا اس ناگواری کی رشک و غیرت تھی، کہ میری باری کے دن میں دوسرا کیوں شریک خدمت ہوا، اور رشک میں تو انسان معذور ہے، لیکن اس کے مقتضا پر اس حد تک عمل کرنا مناسب نہیں، اسی لیے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پچھتائیں اور کفارہ پوچھا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس فعل کو بہت زیادہ ناپسندیدہ سمجھا، ورنہ سرسری فعل کا کفارہ کون پوچھتا ہے، اور یہ دلیل ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی غایتِ خشیت کی، اور اسی لیے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید زجر کی ضرورت نہیں سمجھی، کیوں کہ نادم پر ملامت کیسی، ورنہ اوپر بہت حدیثوں سے معلوم ہو چکا ہے کہ آپ نے کبھی حق میں کسی سے تسامح نہیں فرمایا خواہ وہ کیسا ہی محبوب ہو۔ اور بدلہ دلوانے کی تحقیق حدیث نمبر ۲۷ کے ذیل میں ملاحظہ ہو۔

حدیث ۹۰: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ (ایک بار) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج جمع

ہوئیں اور سب نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا اور ان سے کہا کہ تم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہو کہ آپ کی بیبیاں آپ سے ابوقحافہ کی پوتی (یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا) کے بارہ میں عدل کا مطالبہ کرتی ہیں (اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ کی بیبیاں آپ کو عادل نہ سمجھتی تھیں، مقصود یہ ہوسکتا ہے کہ بعض چیزوں میں گو عدل ضروری نہیں، مگر مروت کا اور آپ کی شان کا مقتضا یہ ہے کہ ان میں بھی عدل کیا جاوے) حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ان کی چادر میں تھے (یہ ہیئت واقع میں خلاف حیا نہیں، لیکن اگر کہیں کا عرف اس کے خلاف ہو تو عرف کا لحاظ مناسب ہے، عرب میں عرف کے خلاف بھی نہ تھا)۔

انھوں نے عرض کیا کہ آپ کی بیبیاں آپ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارہ میں عدل کا مطالبہ کرتی ہیں۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ ''کیا تم کو مجھ سے محبّت ہے؟'' انھوں نے عرض کیا: ہاں۔ آپ نے فرمایا: ''تو عائشہ سے بھی محبّت کرو'' (اور ایسی گفتگو مت کرو جس سے ان کی دل آزاری ہو اور اس گفتگو سے ان کی دل آزاری ہوگی، کیوں کہ جس عدل کا وہ مطالبہ کر رہی ہیں یعنی عدل فی المحبت وہ غیر اختیاری ہے، اور اس میں تفاوت محض من جانب اللہ نعمت ہے تو اس میں شرکت کی درخواست ایک نعمتِ موہوبہ کے سلب کی خواہش ہے جو یقیناً دل آزاری کا سبب ہے)۔

پس (یہ سن کر) حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا واپس ہوگئیں اور بیبیوں کو اس ارشاد کی اطلاع کردی۔ انھوں نے کہا کہ تم نے تو کچھ بھی نہ کیا، اب پھر آپ کی خدمت میں جاؤ اور پھر عرض کرو (بیبیوں کو اس عدل کے غیر اختیاری ہونے کی طرف التفات نہیں ہوا، اس لیے مکرر اہتمام کیا) حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ واللہ میں اس معاملہ میں آپ کے پاس پھر نہ جاؤں گی (کیوں کہ اس گفتگو کا جو اثر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوا وہ اس کا مشاہدہ کرچکی تھیں)۔ ازہری کہتے ہیں کہ آخر تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچّی بیٹی تھیں (اور بقاعدہ: **الولد سر لأبيه** کمال دانش مندی کے ساتھ موصوف تھیں، اس لیے دوبارہ کیسے گفتگو کرتیں)۔

پھر ان سب نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا بن جحش کو بھیجا (کہ اس بارہ میں گفتگو کریں۔ ان بیبیوں کا عذر ابھی مذکور ہوا کہ ان کو اس عدلِ خاص کے غیر اختیاری ہونے کی طرف التفات نہیں ہوا) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ یہی زینب رضی اللہ عنہا تھیں جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بیبیوں میں سے میرے مقابلہ میں آتی رہتی تھیں (کیوں کہ یہ ایک خصوصیت میں سب سے ممتاز تھیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی کی بیٹی تھیں، نیز ان کو آیت زَوَّجْنٰكَهَا کے مورد ہونے کا بھی فخر حاصل تھا، غرض وہ حاضر ہوئیں اور) عرض کیا کہ آپ کی بیبیوں نے مجھ کو آپ کی خدمت میں بھیجا ہے اور وہ آپ سے ابو قحافہ کی پوتی (یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا) کے بارہ میں عدل کا مطالبہ کرتی ہیں (اس کے معنی پہلے گزر چکے ہیں)۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں پھر وہ میری طرف متوجہ ہوئیں، برا بھلا کہنے لگیں (ان کا یہ خیال تھا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ترکیبیں کر کے زیادہ منظورِ نظر ہو رہی ہیں۔ اور برا بھلا کہنے سے یہی مراد ہے کہ اسی کے قرائن بیان کرنا شروع کر دیے، اور ایسے قرائن مجتہد فیہ ہوتے ہیں، اس لیے نہ ان کی صحت ضروری ہے اور نہ ان کو صحیح سمجھنا مضر ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ) میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم (کی رائے) کا انتظار کر رہی تھی اور آپ کی آنکھوں کی طرف دیکھ رہی تھی کہ آیا آپ مجھ کو بدلہ لینے کی اجازت دیتے ہیں (یا نہیں۔ یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی کمالِ انقیاد کی دلیل ہے کہ آپ نے منظورِ نظر ہونے پر ناز نہیں کیا، بلکہ آپ کی رائے کی منتظر رہیں) سو آپ کچھ بولے نہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ انھوں نے مجھ کو اتنا برا بھلا کہا کہ مجھ کو ظنِ غالب یہ ہو گیا کہ آپ میرے انتقام کو ناپسند نہ فرماویں گے (قرائن سے ایسے امور معلوم ہو سکتے ہیں) پھر جو ان کی طرف متوجہ ہوئی تو کچھ دیر نہ گذری جو میں نے ان کو خاموش کر دیا (بدلہ لینے میں کوئی اشکال ہی نہیں) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ (اس وقت) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ ''یہ آخر تو ابوبکر کی بیٹی ہیں'' (جو برجستہ اور کافی تقریر میں مشہور ہیں، وہی اثر بیٹی میں ہے)۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے کوئی عورت نہیں دیکھی جو حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے اچھی ہو اور زیادہ صدقہ دینے والی ہو اور زیادہ صلہ رحم کرنے والی ہو، اور اپنی جان کو ایسی چیزوں میں زیادہ صرف کرنے والی ہو جن سے حق تعالیٰ کا قرب حاصل کیا جاتا ہے (مراد مختلف عبادات ہیں) بہ جز قدرے تیزی کے جو جلدی ہی جاتی بھی رہتی تھی (یعنی مزاج قدرے تیز تھا، مگر زیادہ دیر تک نہیں رہتی تھی)۔ (ب)

فائدہ: اس حدیث کے فوائد جابجا اثنائے ترجمہ میں بیان کردیے گئے ہیں، جن کا حاصل مشترک یہ ہے کہ تعدد ازواج کی حالت میں ایسے واقعات میں کیا معاملہ کرے جس میں حدود بھی محفوظ رہیں اور اپنی طرف سے کسی کی طرف داری بھی نہ ہو، البتہ اگر ایک ظلم کرنے لگے تو مظلوم کی نصرت واجب ہے، اور یہاں بیبیوں میں اجتہاد کا اختلاف تھا، پر وہ بھی شرفِ زوال پر تھا، اس کو ظلم نہیں کہا جاسکتا، اس لیے آپ نے دخل نہیں دیا، اور یہ مضمون کسی قدر تفاوت کے ساتھ حدیث نمبر ۵۷ میں گزر چکا ہے۔

حدیث ۹۱: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے ایک شب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو (بستر پر) نہ پایا، میں سمجھی کہ کسی بی بی کے پاس تشریف لے گئے۔ پھر میں نے (ادھر ادھر) تلاش کیا اور واپس آگئی، سو دیکھتی کیا ہوں کہ آپ رکوع یا سجدہ میں یہ پڑھ رہے ہیں: **سبحانك وبمحدك لا إله إلا أنت.** میں نے کہا: میرے ماں باپ آپ پر قربان، آپ کس حال میں ہیں اور میں کس خیال میں ہوں (یعنی آپ عبادت میں مشغول ہیں اور میں ان وساوس میں ہوں)۔ (ج)

فائدہ: اگر آپ کے ذمہ باری میں مساوات فرمانا واجب نہ تھا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ خیال محل اشکال نہیں اور بے تکلّف یہی شق ہے، اور اگر واجب تھا تو کسی خاص وقتی ضرورت سے کھڑے کھڑے دوسری جگہ چلا جانا جائز ہے، جیسے کوئی ضروری بات کہنا یا علالت کی حالت میں مزاج پرسی کے لیے چلا جانا۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ کسی کی محبّت میں مغلوب نہ تھے، ورنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ احتمال ہرگز نہ ہوتا، کیوں کہ ایسے محبوب کے ساتھ ایسا برتاؤ جس سے یہ گمان ہو، عادۃً ناممکن ہے۔

حدیث ۹۲: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ فرماتی ہیں کہ (ایک بار ازواجِ مطہرات نے ضرورت سے زائد نفقہ کا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے مطالبہ کیا، آپ ناخوش ہوگئے اور قسم کھالی کہ میں ایک مہینہ تک تمہارے پاس نہیں آؤں گا) پھر جب انتیس راتیں گزر گئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے یعنی مجھ سے ابتدا فرمائی۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے قسم کھائی تھی کہ ہم لوگوں کے پاس ایک مہینہ تک نہ آیئے گا اور آپ انتیس ہی دن میں آگئے، میں برابر گن رہی تھی۔ آپ نے فرمایا کہ ''یہ مہینہ انتیس ہی دن کا ہوا ہے''۔

پھر ارشاد فرمایا: ''اے عائشہ! میں تم سے ایک بات کا ذکر کرنے والا ہوں، تمہارا اس میں کوئی نقصان نہیں کہ اس (کے متعلق رائے قائم کرنے) میں جلدی نہ کرو جب تک کہ اپنے والدین سے مشورہ نہ کرلو اس کے بعد یہ آیت پڑھی: ﴿یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ﴾ سے ﴿فَوْزًا عَظِیْمًا﴾ تک (جس کا حاصل یہ ہے کہ اے نبی! اپنی بیبیوں سے فرما دیجیے کہ مجھ سے جو زائد مال مانگا جاتا ہے میں اور اتنا مال جمع نہیں ہوسکتے، اگر وہ مطلوب ہے تو میں تم کو دے کر رخصت کیے دیتا ہوں، اور اگر میرے پاس رہنا چاہتی ہو تو اس سے دست بردار ہو، اب تم کو اختیار ہے)۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ جانتے تھے کہ میرے والدین آپ کی خدمت میں علیحدہ ہونے کا کبھی مشورہ نہ دیں گے (اس لیے یہ بات فرمائی تھی) وہ فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا: کیا اس بارہ میں اپنے والدین سے مشورہ کروں گی (کیوں کہ مشورہ اس امر میں ہوتا ہے جہاں دونوں شقوں میں مصلحت دائر ہو اور یہاں ایک شق میں مصلحت متعیّن ہے) میں اللہ کو چاہتی ہوں اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آخرت کو۔ (ب)

فائدہ: یہ زیادہ طلبی حضرات ازواجِ مطہرات کی توسع فی المباحات کے لیے تھی جو کہ مباح ہے، ان کو یہ معلوم نہ تھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے ایذا ہوگی، چناں چہ اس آیت کے بعد سب کا آخرت کو اختیار کرنا جیسا اور حدیثوں میں مصرح ہے، صاف دلیل ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جدائی جسمانی بھی کسی کو گوارا نہ تھی، تو ایذا جو کہ روحانی جدائی ہے کیسے گوارا ہوتی۔

اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ کسی کی محبت میں مغلوب نہ تھے، ورنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے اس سیاست کو کبھی گوارا نہ فرماتے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو آپ سے کتنا تعلّق تھا کہ دن گن گن کر پورے کیے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ مقدس جماعت ہر حال میں دین کو دنیا پر مقدم رکھتی تھی، ورنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ سے ایسا تعلّق رکھتے ہوئے مہینہ پورا ہونے کا شبہ پیش نہ کرتیں، قصر مدت مفارقت کو غنیمت سمجھتیں۔

حدیث ۹۳: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ وہ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شرمگاہ کبھی نہیں دیکھی۔ (الف)

فائدہ: حیا کا کتنا درجہ عالیہ ہے اور نفس پرستی میں ایسا اہتمام عادۃً متعذر رہے، اس سے صاف ظاہر ہوا کہ دربارِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حظوظ نفسانیہ کا گزر نہ تھا، جو کچھ تھا ادائے حقوق ومصالحِ ضروریہ پر مبنی تھا۔

حدیث ۹۴: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات اس حالت میں ہوئی کہ ہم لوگ خرما اور پانی سے (جو کہ نہایت معمولی چیزیں ہیں) پیٹ بھرنے لگے تھے (یعنی آپ کی اخیر عمر میں ایسی فراغت ہوگئی تھی اور اس کے قبل اتنا بھی نہ تھا)۔ (ج)

فائدہ: اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تنگیٔ معاش کا اندازہ ہوتا ہے، اور ظاہر ہے کہ ایسے خانگی حالات کا یہ جز بی بی کے کس کو علم ہوسکتا ہے۔ بی بی کے ہونے کی مصلحت سمجھ میں آ گئی۔

حدیث ۹۵: عروہ روایت کرتے ہیں کہ عثمان بن مظعون کی بی بی جن کا نام غالبًا خولہ بنت حکیم ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس اس حال سے آئیں کہ وہ میلی کچیلی تھیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان سے پوچھا: تمہاری کیا حالت ہے؟ انھوں نے کہا: میرے شوہر رات بھر عبادت کرتے ہیں اور دن کو روزہ رکھتے ہیں (تو زینت کس کے لیے کروں)۔ پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ سے اس کا ذکر کیا۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ملے اور فرمایا: ''اے عثمان! ہمارے لیے رہبانیت نہیں تجویز کی گئی، کیا تمہارے لیے میرے اندر اقتدا نہیں (یعنی کیا میرا اقتدا نہیں کرتے) واللہ! تم سب سے زیادہ

اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہوں اور سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے حدود کی حفاظت کرنے والا ہوں'' (اور باوجود اس کے بیبیوں سے بے تعلق نہیں ہوں)۔ (الف)

فائدہ: اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نہ ہوتیں ایسا مخفی راز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کون پیش کرتا اور اس کے متعلق حکم کیسے معلوم ہوتا۔

حدیث ۹۶: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قبل آپ کی وفات کے اپنے سینہ کے سہارے بٹھلا رکھا تھا، اسی حالت میں میں نے آپ کو یہ کہتے سنا: ''اے اللہ! میری مغفرت فرما اور مجھ پر رحم فرما اور مجھ کو رفیق اعلیٰ میں شامل فرما'' (یعنی ارواحِ طیّبہ وملائکہ کی جماعت میں)۔ (ج)

فائدہ: بعض اہلِ غلو قربِ حق کے لیے ازواج واولاد سے بعد کو شرط سمجھتے ہیں، اس میں رد ہے اس کا۔ دیکھیے اس وقت سے زیادہ کون وقت ہوگا قربِ حق کا اور اس میں بی بی سے اتنا قرب ہے کہ ان کے سہارے لگے بیٹھے ہیں۔ اہل غلو نے قرب کی حقیقت ہی نہیں سمجھی، اس کی حقیقت ذکر واطاعت ہے، اگر بی بی اس میں معین ہو تو اس سے تعلّق اس قربِ مطلوب کا موکد ہے۔ یہ مضمون حدیث نمبر ۷ اور ۳۳ میں کسی قدر تفاوت سے آچکا ہے۔

حدیث ۹۷: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ وہ فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں پر ایک ایک مہینہ گزر جاتا تھا کہ آپ کے گھروں میں سے (جن میں آپ کی بیبیاں رہتی تھی) کسی گھر میں دھواں نظر نہیں آتا تھا۔ (راوی کہتے ہیں کہ) میں نے عرض کیا: اے اماں! پھر ان کا کھانا کیا ہوتا تھا؟ فرمایا کہ خرما اور پانی، مگر اتنی بات اور تھی کہ آپ کے کچھ مخلص پڑوسی انصار میں سے تھے اور ان کے پاس کچھ خانہ پرورده بکریاں تھیں، سو وہ لوگ (کبھی) آپ کے پاس ان کا دودھ (بھی) بھیج دیتے تھے۔ (ج)

فائدہ: ظاہر ہے کہ غذا میں عادۃً صرف خرما پر اکتفا نہیں ہوسکتا اور عادۃً ہدیہ بھی ہمیشہ نہیں آتا، اور آپ بھی اس کو کبھی گوارا نہ فرماتے، پس اس سے آپ کی ضیق معیشت کا پتہ لگتا ہے، اور ایسی خاص حالت بہ جز بی بی کے کس کو معلوم ہوسکتی ہے۔

حدیث ۹۸: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب جنابت کا غسل فرماتے سب سے پہلے دونوں ہاتھ دھوتے، پھر داہنے ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر پانی ڈالتے اور شرمگاہ کو دھوتے (یہ ہاتھ سے پانی ڈالنا ایسی حالت میں تھا کہ کوئی چھوٹا برتن پانی لینے کے لیے نہ تھا) پھر وضو کرتے جس طرح نماز کے لیے وضو کیا جاتا ہے، پھر پانی لیتے اور بالوں کی جڑوں میں پہنچاتے، یہاں تک کہ جب یہ سمجھتے کہ (پانی پہنچا کر سر کو) صاف کرلیا ہے تو تین لپیں (سر پر) ڈال لیتے، پھر باقی بدن پر پانی ڈال لیتے، پھر دونوں پاؤں دھو لیتے۔

(جمع الفوائد للستة بلفظ مسلم)۔ (ج)

فائدہ: کیا اس صفائی سے غسلِ جنابت کی ترتیب پر یہ جزبی بی کے کوئی مطلع ہوسکتا ہے؟ اور اسی ترتیب کا حاصل یہ ہے کہ اول دونوں ہاتھ پاک کیے جائیں، پھر استنجا کا موقع دھویا جاوے، پھر سر دھویا جائے، پھر باقی بدن، پھر دونوں پاؤں۔

حدیث ۹۹: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز اپنی سب بیبیوں کے پاس تشریف لے گئے (یعنی سب سے ہم بستر ہوئے) ایک کے پاس بھی غسل فرمایا اور دوسری کے پاس بھی (یعنی ہر ایک سے فارغ ہوکر غسل فرمایا)۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ان سب (غسلوں) کو ایک ہی غسل کیوں نہیں فرما دیا (جدا جدا غسل کی کیا حاجت ہے) آپ نے تے فرمایا: ''یہ (ہر بار غسل کرنا) زیادہ صفائی اور زیادہ ستھرائی اور زیادہ پاکی کی بات ہے'' **(جمع الفوائد مع مسلم وأصحاب السنن)**۔ (ج)

فائدہ: ایسے راز پر بہ جز بی بی کے کون مطلع ہوسکتا ہے، اور اس حدیث سے ایسی حالت میں جس طرح متعدد غسل کی افضلیت ثابت ہوتی ہے اسی طرح غسلِ واحد کا جواز بھی ثابت ہوتا ہے، ورنہ جواب میں یہ فرماتے کہ غسلِ واحد جائز نہیں۔

حدیث ۱۰۰: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی برتن سے (پانی لے لے کر) غسل کرتے تھے، ایک بڑا بادیہ تھا جس کو فرق کہا جاتا تھا۔ حضرت سفیان (راوی) کہتے ہیں کہ فرق تین صاع کا ہوتا ہے۔ **(جمع الفوائد عن الشيخين**

ومالك وأبي داود والنسائي)۔(ج)

فائدہ: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے غسلِ جنابت کا کون مشاہدہ کرسکتا تھا، تو غسل کے پانی کی مقدار دلیل عملی سے جو کہ ابلغ ہے، معلوم ہونے کی کوئی صورت نہ تھی۔

اور مراد تین صاع سے یہ ہے کہ جس برتن میں تین صاع گیہوں وغیرہ آجاویں اس برتن میں جتنا پانی آسکے۔ اور ایک صاع گیہوں انگریزی سیر سے ساڑھے تین سیر ہوتے ہیں۔

حدیث ۱۰۱: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حریرہ لائی جو میں نے آپ کے لیے بنایا تھا، میں نے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے (جو وہاں موجود تھیں) کہا: تم بھی کھاؤ۔ انھوں نے (کسی وجہ سے) انکار کیا، میں نے کہا: یا تو کھاؤ، ورنہ تمہارا منہ (اس حریرہ سے) سان دوں گی۔ انھوں نے پھر بھی انکار کیا، میں نے حریرہ میں ہاتھ بھر کر ان کا منہ سان دیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم (یہ دیکھ کر) ہنسے، آپ نے اپنے ہاتھ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دبا کر (تاکہ یہ مدافعت نہ کرسکیں) حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ''تم ان کا منہ سان دو''۔ انھوں نے میرا منہ سان دیا، آپ (پھر) ہنسے۔ (جمع الفوائد عن الموصلي)۔(ب)

فائدہ: اس حدیث سے چند باتیں ثابت ہوئیں: ایک یہ کہ آپ کی بیبیوں میں باہم محبّت وانبساط تھا، بغض وتنافر نہ تھا، ورنہ ایسی بے تکلفی کا صدور محتمل نہیں ہوسکتا، اور شاذ ونادر لطف آمیز شکر رنجی ہوجانا دوستی کے خلاف نہیں۔ قال المتنبي: ويبقى الود ما بقي العتاب. ذوق کا مقولہ ہے:

بے محبّت نہیں اے ذوق شکایات کے مزے
بے شکایات نہیں اے ذوق محبّت کے مزے

دوسرے یہ کہ مزاح یا اس میں حصّہ لینا نہ کمالِ ولایت کے خلاف ہے، نہ کمالِ نبوت کے، جیسا بعض خشک مزاجوں کا خیال ہے۔ تیسرے یہ کہ اتنی قلیل چیز کہ عرفاً اس کی کوئی قیمت نہیں شرعاً مال نہیں، جیسے تولہ دو تولہ حریرہ اور وہ بھی معمولی۔ اب یہ اعتراض بھی لازم نہیں آتا کہ اس میں مال کی اضاعت ہوئی جو کہ منہی عنہ ہے، خصوص اگر اس کا غسالہ کسی جانور وغیرہ کے کام میں آجاوے۔

خاتمہ جلدِ اول

موضوع رسالہ میں یہاں تک مسند عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیثوں کا کافی ذخیرہ ہے، اس کا عدد سو سے متجاوز ہے، چوں کہ اس وقت طبیعت میں چند عوارض سے ضعف طاری ہے اس عذر کے سبب مابعد کی جلد یا جلدیں جن میں بقیہ ازواج مطہرات کے مسانید ہوتیں فی الحال شروع کرنے کی ہمت نہیں ہوئی، آئندہ حق تعالیٰ کو جو منظور ہوگا خواہ میرے ہاتھ سے یا کسی اور کے ہاتھ سے وہی وقوع میں آوے گا، دوسرے حضرات اگر تکمیل کریں تو نمونہ ان کے سامنے ہے۔

یکم ذی الحجہ ۵۰[۱۳]ھ یوم جمعہ

تمت